حضرت امام مالک بن انس رحمۃ اللہ علیہ کی حالاتِ زندگی پر خوبصورت کتاب

سیرت

حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ

تالیف

مولانا ڈاکٹر محمد عاصم اعظمی
ایم اے۔ایم۔ٹی۔ایچ۔پی۔ایچ۔ڈی

انس پبلیکیشنز لاہور

حضرت امام مالک بن انس رضی اللہ عنہ کی حالات زندگی پر خوبصورت کتاب
سیرت
حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ
تالیف
مولانا ڈاکٹر محمد عاصم اعظمی
ایم اے، ایم۔ ٹی، ایچ، پی۔ ایچ۔ ڈی
انس پبلیکیشنز
40- اُردو بازار، لاہور
Mob: 0300-8852283

کتاب	:	حضرت امام مالک بن انس رحمۃ اللہ علیہ
مولف	:	مولانا ڈاکٹر محمد عاصم اعظمی
		ایم۔اے، ایم۔ٹی۔ایچ، پی۔ایچ۔ڈی
پروف ریڈنگ	:	مولوی نعیم الاسلام قادری شمسی، مولوی محمد عثمان شمسی
		مولوی محمد حسان شمسی، مولوی محمد احسان شمسی
سن اشاعت	:	۲۰۱۵ء
تعداد	:	۶۰۰
صفحات	:	۱۶۰
ناشر	:	محمد اکبر قادری
قیمت	:	-/140 روپے

انس پبلیکیشنز

ناشر
اکبر بک سیلرز
زبیدہ سنٹر 40 اردو بازار لاہور

فہرست

نقوشِ حیات

نام ونسب اور خاندان

امام دارالہجرت لقب، ابوعبداللہ کنیت، اسم گرامی مالک۔ سلسلہ نسب یہ ہے: مالک بن انس بن مالک بن ابوعامر بن عمرو بن حارث بن غیمان یا عثمان بن جثیل یا خثیل بن عمرو بن ذی اصبح اصبحی مدنی۔ (وفیات الاعیان ج ۲ ص ۳۰۰)

آپ کا نسب یمن کے مشہور قبیلہ حمیر بن سبا سے ملتا ہے، جس کا تعلق یعرب بن قحطان سے ہے۔ ابوعامر اس خاندان کے پہلے شخص ہیں، جنہوں نے اسلام قبول کیا۔

بعض اہل سیر نے دعوی کیا ہے، کہ امام مالک اور ان کا خاندان موالی سے تھا، انہوں نے بیان کیا:

> **ان جده الاعلی اباعامر من موالی بنی التیم وهم البطن الذی کان منه ابو بکر الصدیق رضی الله عنه فهو علی هذاالادعاء قرشی بالولاء ۔** (مالک ص ۲۸، ابوزہرہ)
>
> امام مالک کے جد اعلیٰ ابوعامر بنوتیم کے موالی تھے، ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا خاندان بنوتیم کی شاخ ہے اور اس دعوی کے مطابق آپ کی نسبت ولا قرشی ہے۔

ابوعامر کب مدینہ آئے اور بنوتیم سے ولا اور مصاہرت کا تعلق قائم کیا، یا ان کے لڑکے مالک مدینہ آئے اور انہوں نے بنی تیم سے موالات کیا، اس بارے میں مختلف روایتیں ہیں:

(۱) امام مالک کے چچا ابو سہیل کہتے ہیں:

نحن قوم من ذی اصبح قدم جدنا بالمدينة فتزوج فی التيميين فكان معهم و نسبنا اليهم ۔

ہم قبیلہ ذی اصبح سے نسبی تعلق رکھتے ہیں، ہمارے دادا مدینہ آئے اور انہوں نے تیمیوں میں شادی کی اور انہیں کے ساتھ رہ پڑے، ہمارا نسب انہیں سے ملتا ہے۔

یہ تعلق حضرت طلحہ بن عبید اللہ تیمی کے بھائی حضرت عثمان بن عبید اللہ تیمی سے قائم ہوا تھا۔

یہ قول وضاحت کرتا ہے، کہ ابو عامر پہلے شخص ہیں، جو مدینہ آئے اور انہوں نے بنو تیم سے موالات قائم کی۔

قاضی بکر بن قشیری قول اول کی تائید کرتے ہیں، کہتے ہیں:

ان ابا عامر جد ابی مالك من اصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم وشهد المغازی کلها خلا بدرا ۔

امام مالک کے پردادا ابو عامر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی ہیں، بدر کے علاوہ تمام غزوات میں شریک ہوئے۔

(۲) بعض لوگوں کا قول ہے، کہ امام مالک کے پردادا ابو عامر نے اسلام تو عہد رسالت میں قبول کیا، لیکن رحلت رسول کے بعد مدینہ آ کر اقامت گزیں ہوئے، چوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے لقا ثابت نہیں اس لیے تابعی مخضرمی ہیں۔

(۳) ابن عبد البر لکھتے ہیں:

قدم مالك بن ابی عامر المدينة من اليمن متظلما من بعض ولاة ابن مرة فعاقده وصار معهم ۔

مالک بن ابو عامر یمن نے بعض ولاۃ ابن مرہ کے ظلم سے تنگ آ کر مدینہ

آئے۔(مالک ص۲۹)

اس روایت سے معلوم ہوتا ہے، کہ اس قبیلے کے سب سے پہلے شخص جو مدینہ آئے، وہ مالک ہیں، نہ کہ عامر۔ ابوزہرہ مصری نے دوسرے قول کو ترجیح دیتے ہوئے لکھا ہے:

نحن نختار الرواية الثانية لانها تتفق مع المروى عن ابى سهيل وهو اعلم الناس باسرته فهو يذكر ان جده حضر الى المدينة وصاهر بنى تيم ولان كونه صحابيا وان كان مشهور الذى المالكية لم يقبله المحققون من المحدثين وقد قال فى ذلك السيوطى فى كتابه تزيين الممالك قال الحافظ شمس الدين الذهبى فى تجريده ولم ارا احدا ذكره فى الصحابة ونقل الحافظ ابن حجر فى الاصابة كلام الذهبى ولم يزد عليه .

ہم دوسری روایت کو اختیار کرتے ہیں، اس لیے کہ وہ ابوسہیل کی روایت کے موافق ہے۔ ابوسہیل اپنے خاندان کے بارے میں سب سے زیادہ جانتے ہیں، وہ ذکر کرتے ہیں کہ ان کے دادا ابوعامر مدینہ آئے اور انہوں نے بنوتیم میں شادی کی اور ان کا صحابی ہونا اگرچہ مالکیوں میں مشہور ہے، لیکن محققین محدثین نے اسے قبول نہیں کیا ہے۔ حافظ سیوطی نے اپنی کتاب ''تزئین الممالک'' میں تحریر کیا ہے، کہ حافظ شمس الدین ذہبی نے اپنی تجرید میں لکھا ہے، کہ میں نے کسی کو نہیں پایا، جو ابوعامر کو صحابہ میں شمار کرتا ہو۔ حافظ ابن حجر نے ''الاصابہ'' میں ذہبی کا کلام نقل کیا ہے اس پر کچھ اضافہ نہیں کیا ہے۔ (مالک حیاتہ وعصرہ ص۳۰)

مالک کے دادا ابوانس مالک کبار تابعین میں سے تھے، جو حضرت عمر، حضرت طلحہ، حضرت عائشہ، حضرت ابوہریرہ اور حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے

روایت کرتے ہیں، حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے ساتھ انہیں خاص لگاؤ تھا، چنانچہ شہادت عثمان کے بعد جب کہ مدینہ پر فتنوں کی کالی گھٹائیں چھائی ہوئی تھیں، لوگوں کا گھروں سے نکلنا دشوار ہو رہا تھا، جن چار باہمت اولوالعزم افراد نے اپنا سر ہتھیلیوں پر رکھ کر حضرت عثمان کا جنازہ اٹھایا، ان مین ابوانس مالک بھی تھے۔ آپ سے آپ کے تینوں بیٹوں انس امام مالک کے پدر بزرگوار، ربیع وابو سہیل نافع اور ایک جماعت نے حدیث کا درس لیا۔ مؤطا امام مالک میں بھی ان کی سند سے حدیث ہے۔ امام نسائی ان کو ثقہ قرار دیتے ہیں۔ انہوں نے ۱۰۴ھ میں وفات پائی۔

امام مالک کے چچا ابو سہیل نافع جن کا شمار ثقات تابعین میں ہے، صحابہ میں حضرت عبداللہ بن عمر اور تابعین میں اپنے والد ابوانس مالک، سعید بن مسیب، علی بن حسین اور ایک کثیر جماعت سے روایت کرتے ہیں۔ امام مالک نے بھی مؤطا میں ان سے روایت کی ہے۔ تابعین اور تبع تابعین میں امام زہری، امام مالک، اسماعیل بن جعفر وغیرہ ان کے شاگرد ہیں۔ امام احمد، ابوحاتم اور نسائی جیسے ائمہ فن حدیث نے ان کو ثقہ قرار دیا ہے۔ امام مالک کے والد انس اور دوسرے چچا ربیع بھی عالم حدیث تھے، مگر ان کا پایہ چنداں بلند نہیں، چنانچہ مؤطا میں امام مالک نے ان سے کوئی روایت نہیں لی ہے۔

آپ کی والدہ کا نام عالیہ تھا، جو شریک بن عبدالرحمٰن بن شریک کی صاحبزادی تھیں اور ان کا تعلق احرار سے تھا۔ چنانچہ امام مالک پر ماں کی جانب سے بعض لوگوں نے رقیت کا جو قول کیا ہے، وہ صحیح نہیں ابوزہرہ لکھتے ہیں:

فابوه وامه عربيان يمنيان فلم يجر عليه رق قط ۔(مالک ص ۲۸)

ولادت

امام مالک کے سن ولادت میں مورخین کا اختلاف ہے، چنانچہ سن ولادت ۹۰ھ ۹۳ھ، ۹۴ھ، ۹۵ھ، ۹۶ھ اور ۹۸ھ لکھا گیا ہے، لیکن اکثر مورخین کے نزدیک آپ کی ولادت ۹۳ھ میں ہوئی۔ جس کی تائید امام مالک کے اس قول سے بھی ہوتی ہے:

لقد روی ان مالکا قال ولدت سنة ثلاث وتسعين ۔

امام مالک سے روایت کی جاتی ہے، انہوں نے فرمایا، میری ولادت ۹۳ھ میں ہوئی۔ (مالک حیاتہ وعصرہ ص ۲۷)

امام مالک کی ولادت ان کے آبائی مکان قصر المقعد میں ہوئی، جو مدینہ سے چند میل کے فاصلہ پر وادی عقیق میں تھا۔ یہ علاقہ بہت ہی سرسبز وشاداب تھا۔ قاضی عیاض لکھتے ہیں:

کان ابو مالك بن انس مقعدا وكان له قصر بالجرف يعرف بقصر المقعد ۔(وفاء الوفاء ج۲ص ۱۱۷۵)

امام مالک کے والد انس مقعد تھے اور مقام جرف میں ایک محل تھا، جو قصر مقعد کے نام سے مشہور تھا۔

چوں کہ امام مالک کے خاندان کے افراد مدینہ میں کم اور غیر معروف تھے، اسی بنا پر ان کے والد کو مقعد کے عرف سے شہرت ملی، جیسا کہ کمزور قبیلے والے فرد کو مقعد النسب یا مقعد الحسب کہتے ہیں۔

امام صاحب اسی آبائی مکان میں سکونت گزیں تھے، کچھ لوگوں نے ایک بار وادی عقیق میں مقیم ہونے کی وجہ دریافت کی اور کہا دوری کی وجہ سے آپ کو مسجد نبوی تک آنے جانے میں تکلیف ہوتی ہے، امام صاحب نے جواب دیا، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وادی عقیق سے محبت رکھتے تھے اور وہاں تشریف لے جاتے تھے اور بعض صحابہ نے وہاں سے منتقل ہو کر مسجد نبوی سے قریب مقیم ہونا چاہا تو ارشاد فرمایا کیا تم لوگ مسجد تک آمد ورفت میں ثواب نہیں سمجھتے؟

امام صاحب بعد میں مدینہ منورہ چلے آئے تھے اور مسجد نبوی سے متصل حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے مکان میں قیام کرتے تھے۔

تحصیل علم اور شیوخ

باقاعدہ تحصیل علم سے پہلے امام مالک اپنے بھائی نضر کے ساتھ کپڑوں کی تجارت میں شریک ہوئے:

وکان اخوہ النضر یبیع البز وکان مالک معہ بزازا ثم طلب العلم۔

مالک کے بھائی نضر سوتی کپڑے بیچتے تھے اور مالک ان کے ساتھ رہ کر بزاز تھے اور بعد میں علم حاصل کیا۔

جب تک امام مالک تجارت میں بھائی کے سہیم و شریک رہے، مالک "اخوالنضر" کے نام سے پکارے جاتے تھے، جب تجارت چھوڑ کر علما کی صحبت اختیار کی اور آپ کا علمی پایہ لوگوں پر روشن ہوا تو وہ اپنے بھائی سے زیادہ مشہور ہو گئے اور ان کے بھائی نضر "اخو مالک" کے نام سے پکارے جانے لگے۔

امام مالک نے جس گھر میں آنکھ کھولی تھی، اس کا ماحول دینی اور علمی تھا، ان کے دادا، والد اور چچا علم نبوت کے وارث تھے، اس سے بڑھ کر امام مالک کا وطن مدینۃ الرسول علم و عرفان کا سب سے بڑا مرکز تھا، جہاں سے علوم و معارف کے چشمے پھوٹے۔ عہد رسالت کے بعد بھی یہ شہر اکابر صحابہ کا مسکن اور آماجگاہ علم دین رہا۔ خلافت عثمانی کے بعد یہ شہر مسلمانوں کا دارالسلطنت تو نہ رہا، مگر اس کی علمی مرکزیت میں کوئی فرق نہیں آیا اور ساری دنیا کے مسلمان اس شہر کے علمی چشموں سے سیراب ہونے کے لیے دور دور سے آتے تھے۔ امام صاحب نے آنکھ کھولی تو مدینہ منورہ قال اللہ وقال الرسول

کے نغموں سے گونج رہا تھا اور اس کی علمی روایت اور شان اوج کمال پر تھی۔

حضرت ربیعہ رائی کی درسگاہ میں

خاندانی ماحول اور مدینۃ الرسول کی عرفانی فضا نے امام مالک پر صغر سنی ہی سے اثر ڈالا اور وہ بچپن ہی میں طلب علم کے ذوق سے سرشار تھے، انہوں نے سب سے پہلے قرآن کریم حفظ کیا، پھر ان کے دل میں طلب حدیث کا ولولہ پیدا ہوا، انہوں نے اپنے اس شوق کا اظہار والدہ ماجدہ سے کیا، تو انہوں نے عمدہ لباس پہنائے، سر پر عمامہ باندھا، پھر کہا ''اذھب فاکتب الآن'' جاؤ اب حدیث لکھو! یا یہ کہا ''فاذھب الی ربیعۃ فتعلم علمہ قبل ادبہ'' ربیعہ کے پاس جاؤ شعر و ادب سے پہلے ان سے علم حاصل کرو۔

ان کے بعض معاصرین کا قول ہے ''رایت مالکا فی حلقۃ ربیعۃ وفی اذنہ شنف'' میں نے مالک کو ربیعہ کے حلقہ درس میں دیکھا، اس وقت ان کے کان میں بندا تھا۔

یہ روایت دلالت کرتی ہے، کہ صغر سنی ہی میں طلب حدیث کا آغاز کر دیا تھا۔

(مالک ص ۳۲)

حضرت ربیعہ رائی متوفی ۱۳۶ھ عظیم تابعی کثیر الحدیث، ثقہ، محدث تھے، مدینہ کے نامی گرامی علما و فقہا ان کے حلقہ درس میں شریک ہوا کرتے تھے، جو مسجد نبوی میں قائم ہوتا تھا، جن میں چالیس عمامہ پوش مشائخ بھی شامل ہوتے۔

نافع مولی ابن عمر کی خدمت میں

اسی زمانہ میں امام مالک حضرت نافع مولی عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے بھی علم حاصل کرنے جایا کرتے تھے، وہ کہتے ہیں، میں بچپن میں اپنے ملازم کے ساتھ نافع کے یہاں جایا کرتا تھا، وہ اوپر سے اتر کر زینہ پر بیٹھ جاتے اور مجھ سے حدیث بیان کرتے۔ فرماتے ہیں:

كنت اتي نافعا نصف النهار ما تظلني الشجرة من الشمس كنت اتحين خروجه فاذا خرج ادعه ساعة كاني لم اره ثم اتعرض له فاسلم عليه وادعه حتى اذا دخل اقول له كيف قال ابن عمر في كذا وكذا فيجيبني ثم احبس عنه ۔ (الدیباج المذهب ص ۱۱۷)

میں دوپہر میں نافع کے پاس جاتا تھا، راستے میں کہیں سایہ بھی نہیں ہوتا تھا، میں ان کے نکلنے کا انتظار کرتا جب وہ نکلتے تھوڑی دیر دم لیتا پھر ان کی طرف متوجہ ہوتا ان سے سلام کرتا، پھر اندر جا کر ان سے سوال کرتا ابن عمر نے فلاں فلاں مسئلہ میں کیا کہا ہے اور وہ بیان کرتے پھر ان سے رخصت ہو جاتا۔

یہ واقعہ امام مالک کے طلب علم کے بے مثال شوق اور اس راہ میں تکلیف واذیت خوشی سے گوارہ کرنے پر دلالت کرتا ہے، عرب کے سخت گرم علاقہ میں جب کہ ظہر کے وقت بادسموم کے جھونکے چلتے اور پوری فضا تنور کی طرح گرم ہوتی ہے، امام مالک مقام جرف سے چل کر مدینہ سے باہر بقیع میں نافع مولی ابن عمر کے گھر آتے اور سخت دھوپ اور لو کے تھپیڑوں میں دروازے پر کھڑے ہو کر حضرت نافع کے باہر نکلنے کا انتظار کرتے رہتے، جب وہ برآمد ہوتے انہیں لے کر مسجد نبوی شریف میں جاتے، جب نافع اپنی مسند درس پر بیٹھ جاتے تو ان سے حدیث اور فقہ کے متعلق سوالات کرتے اور ان سے کثیر حدیثیں اخذ کرتے اور عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے فتاوے معلوم کرتے جب کہ ابن عمر کا علمی مقام یہ تھا:

ولابن عمر مكانة في فقه الاثر والتخريج عليه واستنباط الاحكام على ضوء الحديث النبوي الشريف ۔ (مالک ص ۳۶)

فقہ اور اثر کی تخریج میں ابن عمر کا مقام یہ تھا، کہ وہ استنباط مسائل حدیث

نبوی کی روشنی میں کرتے تھے۔

نافع سے جو حضرت عبداللہ بن عمر کی مرویات کے سب سے بڑے مستند اور معتمد راوی ہیں، امام مالک نے علم حدیث حاصل کیا اور مالک عن نافع عن ابن عمر کی سند کتب حدیث میں سلسلۃ الذہب کا درجہ رکھتی ہے۔

حضرت نافع جب تک زندہ رہے، امام مالک ان کے حلقہ درس سے وابستہ رہے، شاگرد کو استاذ کے علم وفضل پر اتنا ناز تھا، کہ فرمایا کرتے، جب میں عبداللہ بن عمر کی حدیث نافع سے سن لیتا ہوں تو مجھے پروانہیں ہوتی، کہ اس کو کسی اور سے سنوں۔

ابوعبداللہ نافع نے تیس سال تک ابن عمر کی خدمت میں رہ کر ان کی مرویات اور فقہی مسائل کا سب سے بڑا سرمایہ اپنے سینے میں محفوظ کرلیا تھا، امام مالک جب ان کی خدمت میں حاضر ہوتے تو ایک ایک مسئلہ کے بارے میں ابن عمر کے اقوال وآرا اور استنباط واجتہاد کو دریافت کرتے اور انہیں لکھ لیا کرتے، آگے چل کر امام مالک نے اپنی فقہ کی عمارت ابن عمر کے انہیں اقوال وآرا اور مجتہدات پر رکھی۔

عبدالرحمٰن بن ہرمز کے حلقہ درس میں

نافع مولی ابن عمر سے تلمذ کے زمانے ہی میں امام مالک نے عبدالرحمٰن بن ہرمز کی درسگاہ میں جانا آنا شروع کردیا تھا، جس کی وجہ امام صاحب خود بیان کرتے ہیں، کہ میرے ایک بھائی جو عمر میں مجھ سے بڑے اور ابن شہاب کے ہم عصر تھے، ایک دن والد صاحب نے ہم دونوں کے سامنے ایک مسئلہ پیش کیا بھائی نے صحیح بتایا اور میں غلطی کر گیا، والد نے کہا، کہ تم کو کبوتروں نے طلب علم سے غافل کردیا ہے یہ جملہ مجھ پر بہت گراں گزرا اور میں عبدالرحمٰن بن ہرمز کے حلقہ درس میں جانے لگا، جہاں رہ کر میں نے سات سال تک کسب علم کیا اور اس طویل مدت میں کسی دوسرے شیخ کے پاس نہیں گیا۔ میں اپنے پاس کھجور رکھ کر ان کے یہاں جاتا اور اپنے ساتھ پڑھنے والے لڑکوں کو دے کر کہتا، کہ اگر کوئی شخص شیخ کے بارے میں پوچھے تو تم لوگ کہہ دینا کہ وہ اس وقت منہمک

ہیں، ایک دن میں ابن ہرمز کے دروازے پر پہنچا تو انہوں نے اپنی باندی کو بھیج کر معلوم کیا کہ دروازہ پر کون ہے؟ اس نے جا کر کہا کہ وہی اشقر (سرخ گورا) ہے ابن ہرمز نے کہا کہ ان کو آنے دو، وہ امام ہیں اور ابن ہرمز کا حلقہ درس مسجد نبوی میں قائم ہوتا تھا۔

ابوداؤد عبدالرحمٰن بن ہرمز الاعرج مدنی متوفی ۱۱۷ھ رضی اللہ عنہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے داماد اور ان کے علم کے وارث تھے، بہت سارے تابعین سے حدیثیں روایت کی ہیں، کثیر الحدیث، ثقہ محدث تھے، اسی کے ساتھ انساب، عربیت اور قرأت کے زبردست عالم بھی تھے۔

حضرت صفوان بن سلیم

امام مالک نے صغرسنی میں جن شیوخ واساتذہ سے تحصیل علم کیا ہے، ان میں ایک بہت بڑے بزرگ عالم دین صفوان بن سلیم ہیں، چنانچہ انہوں نے ایک دن اپنے شاگرد مالک سے ایک خواب کی تعبیر معلوم کی، تو شاگرد نے عرض کیا، کہ حضرت! آپ جیسے عظیم بزرگ مجھ سے کسی بات کو معلوم کریں یہ عجیب سی بات ہے، استاذ نے کہا، بھتیجے! کوئی بات نہیں ہے۔ اس میں کیا حرج ہے؟ میں نے خواب دیکھا ہے کہ آئینہ دیکھ رہا ہوں، شاگرد نے فوراً عرض کیا کہ آپ اپنی آخرت سنوار رہے ہیں اور تقرب الی اللہ کا سامان بہم پہنچا رہے ہیں، استاذ نے یہ تعبیر سنی تو خوش ہو کر فرمایا:

انت الیوم مویلك ولئن بقیت تکونن مالکا اتق اللّٰہ یا مالك
اذ کنت مالکا والا فانت ھالك۔

آج تم مویلک ہو اگر زندہ رہے، تو مالک ہو جاؤ گے اے مالک! جب تم واقعی مالک بن جانا تو اللہ سے ڈرنا ورنہ ہلاک ہو جاؤ گے۔

امام مالک بیان کرتے ہیں، کہ اس زمانہ میں لوگ مجھے پیار کی وجہ سے مویلک کہہ کر پکارتے تھے، صفوان بن سلیم نے پہلی بار اس موقع پر مجھے ابوعبداللہ کی کنیت سے پکارا اور یہ انہیں ہی کا عطیہ ہے۔ (ترتیب المدارک ج ۱ ص ۱۲۸)

ابوعبداللہ صفوان بن سلیم قرشی زہری مدنی متوفی ۱۳۲ھ رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عبداللہ بن عمر اور کبار تابعین سے روایت کی ہے ان کے زہد و تقویٰ کا عالم یہ تھا، کہ اگر انہیں یہ اطلاع دی جاتی کہ کل قیامت آنے والی ہے تو ان کو مزید عمل کی ضرورت نہیں پڑتی امام مالک بیان کرتے ہیں صفوان جاڑے میں چھت پر اور گرمی میں اندر رات کو نماز پڑھتے تھے تاکہ سردی اور گرمی کی وجہ سے شب بیداری میں مدد ملے۔

امام ابن شہاب زہری

امام مالک نے مدینہ کے جن اساطین علوم نبویہ سے اکتساب فیض کیا ان میں ابن شہاب زہری بہت اہم ہیں، اسلام کی علمی تاریخ کے قرن اول کی اخیر اور قرن ثانی کی ابتدائی دہائیوں میں جامعیت کے لحاظ سے جو چند ممتاز ہستیاں نظر آتی ہیں، انہیں میں ابن شہاب زہری کا بھی شمار ہوتا ہے قرآن، حدیث، فقہ، انساب اور مغازی میں درجہ امامت پر فائز تھے، آپ کا اسم گرامی محمد کنیت ابوبکر ہے، سلسلہ نسب اس طرح ہے: محمد بن مسلم بن عبیداللہ بن عبداللہ بن شہاب بن عبداللہ بن حارث بن زہرہ بن کلاب بن مرہ قرشی۔ (الحدیث والمحدثون ص ۱۷۴)

آپ کی ولادت ۵۰ھ میں ہوئی، امام زہری کے دادا عبداللہ بن شہاب ابتدائے اسلام میں اسلام کے بدترین دشمنوں کی صف اول میں شریک تھے، انہوں نے اسلام دشمنی کو اپنا شعار بنالیا تھا، مگر انہیں کی نسل سے ایک ایسا فرزند پیدا ہوا، جس نے علوم اسلامی کی تحصیل اور ترویج واشاعت کو اپنی زندگی کا مقصد اولین قرار دیا۔

خداوند تعالیٰ نے امام زہری کو حصول علم کی غیر معمولی صلاحیت اور نادر قوت حفظ کی دولت سے نوازا تھا، ذہانت و ذکاوت میں ممتاز تھے، تحصیل علم کے شوق میں اقران ومعاصرین پر فائق تھے، حافظہ ایسا تھا، کہ ایک بار جو بات سن لی نقش کالحجر ہوگئی، اسی راتوں میں پورا قرآن کریم حفظ کرلیا۔

خلیفہ ہشام بن عبدالملک نے امام زہری کی قوت حفظ وضبط کا امتحان اس طرح

لیا، کہ اپنے لڑکوں کے لیے ان سے حدیثیں قلم بند کرانے کی درخواست کی، آپ نے چار سو حدیثیں لکھوادیں ایک ماہ بعد ہشام نے کہا، کہ آپ کا لکھوایا ہوا دفتر حدیث گم ہوگیا، امام زہری نے پھر وہی حدیثیں لکھوادیں، ہشام کے حکم سے دونوں نسخوں کا مقابلہ کیا گیا تو کچھ بھی فرق نہیں تھا۔ (تذکرۃ الحفاظ ج ا ص ۱۰۳)

چنانچہ اپنی قوت حفظ کے بارے میں وہ خود فرماتے ہیں:

مااستعدت حدیثا قط وماشککت فی حدیث الا حدیثا واحدا فسئلت صاحبی فاذاھو کما حفظت ۔

میں نے (ایک بار یاد کر لینے کے بعد بغرض حفظ) کسی حدیث کا اعادہ نہیں کیا اور مجھے کسی حدیث میں کبھی کوئی شک وارد نہیں ہوا مگر ایک حدیث میں نے جب اپنے ساتھی سے دریافت کیا تو وہ اسی طرح تھی، جس طرح میں نے یاد کی تھی۔ (تذکرۃ الحفاظ ج ا ص ۱۰۴)

ابن شہاب نے جس زمانے میں طلب علم کا آغاز کیا، وہ صحابہ اور تابعین کا مبارک عہد تھا، جن کے خرمن علم سے انہوں نے خوشہ چینی کی، وہ صرف حدیثیں سننے اور زبانی یاد کرنے پر اکتفا نہیں کرتے، بلکہ قید تحریر میں بھی لاتے، اس طرح ان کے پاس احادیث نبویہ اور آثار صحابہ کا بہت بڑا ذخیرہ کتابوں میں محفوظ ہوگیا تھا۔

عموما ان کتابوں کو دیکھنا معمول تھا، جس کی بنا پر گھریلو کاموں سے دور رہتے ایک دن آپ کی اہلیہ نے تنگ آ کر کہا

"واللہ لھذہ الکتب اشد علی من اربع ضرائر"

قسم خدا کی تمہاری یہ کتابیں مجھ پر چار سوکنوں سے بھی زیادہ گراں ہیں۔

اس ذوق وشوق اور قبول علم کی بے کراں استعداد کے ساتھ زہری نے علم وفضل میں ایسا کمال پیدا کیا، کہ اپنے معاصرین پر فوقیت حاصل کرلی، ان کے تبحر علمی کا اعتراف اکابر علمائے امت نے ان الفاظ میں کیا ہے:

☆عمر بن دینار:۔"ما رایت انص للحدیث من الزهری "میں نے زہری سے بڑا راوی حدیث نہیں دیکھا۔

☆لیث بن سعد:۔"ما رایت عالما قط اجمع من ابن شهاب ولا اکثر علما منه' "میں نے کسی عالم کونہیں دیکھا جو ابن شہاب سے زیادہ علم جمع کرنے والا ہو اور ان سے زیادہ علم والا کسی کو نہیں پایا۔

☆مالک:۔"بقی ابن شهاب وماله فی الدنیا نظیر "ابن شہاب زندہ ہیں، اس حال میں کہ (علم میں) دنیا کے اندر ان کی نظیر نہیں۔

☆ایوب سختیانی:۔"ما رایت اعلم منه' "میں نے زہری سے بڑا عالم نہیں دیکھا۔

☆ربیع:۔"ما ظننت ان احدا بلغ من العلم ما بلغ ابن شهاب' ' میرا گمان ہے کہ کوئی شخص علم کے اس درجہ تک نہیں پہنچا جہاں ابن شہاب پہنچے۔

☆عمر بن عبدالعزیز:۔"لم یبق احد اعلم بسنة ماضية من الزهری' "کوئی شخص ابن شہاب زہری سے بڑھ کر سنت ماضیہ کا جاننے والا نہیں رہا۔

یوں تو امام زہری نے قرآن، فقہ وفتاوی، انساب، تاریخ ومغازی سارے علوم وفنون میں کمال حاصل کیا تھا، مگر انہیں حدیث وآثار میں ید طولیٰ حاصل تھا، اور وہ اس علم کے امام تھے، اس شعبہ علم کی تحصیل میں زہری کا شغف ذکر کرتے ہوئے ان کے ایک معاصر لیث بن سعد نے فرمایا:

جلس الزهری ذات لیلة یذاکر نفسه الحدیث فما زال حتی اصبح ۔ (السنۃ قبل التدوین ص۴۹۲)

ایک شب زہری حدیث کے مذاکرہ میں بیٹھے اور پوری رات اسی شغل میں منہمک رہے، یہاں تک کہ صبح کردی۔

امام زہری خود فرماتے ہیں:

ماصبر احد علی العلم صبری ولانشر احد نشری ۔
کسی نے میری طرح طلب علم میں صبر نہیں کیا اور نہ میری طرح اس کی نشر واشاعت کی۔

اس سرچشمہ علم سے ہزاروں تشنگان حدیث سیراب ہوئے، جن میں امام مالک کی ذات گرامی بھی ہے، جنہوں نے علم نبوت کے بحر زخار سے خوب خوب جرعہ خواری کی۔ وہ خود فرماتے ہیں:

ہم طلبہ حدیث ابن شہاب زہری کے مکان واقع بنی الریل میں بہت زیادہ بھیڑ لگاتے تھے ان کے دروازہ پر بیٹھے رہتے تھے، اور جب کھلتا تو اندر جاتے وقت دھکم دھکا کرتے تھے۔ ابن شہاب حلقہ درس میں قال ابن عمر کذا و کذا کہتے اور سن لیتے اور حلقہ ختم ہونے کے بعد سوال کرتے کہ ابن عمر کے یہ اقوال آپ تک کیسے پہنچے، وہ بتاتے کہ ان کے صاحبزادے سالم نے ان کو بیان کیا ہے۔

امام مالک ابن شہاب زہری سے اتنے مانوس اور آپ سے طلب علم کے اس قدر مشتاق تھے، کہ عید کے دن بھی استفادہ سے باز نہ رہے۔ فرماتے ہیں:
ایک مرتبہ عید کے دن میں یہ سوچ کر کہ آج ابن شہاب خالی ہوں گے، عیدگاہ سے باہر ہی باہر ان کے گھر چلا گیا، ابن شہاب نے خادمہ سے کہا، دیکھو دروازہ پر کون ہے؟ خادمہ نے خبر دی "مولاك الاشقر مالك" اجازت ملنے پر میں اندر گیا، انہوں نے فرمایا، میرا خیال ہے تم اپنے مکان جانے کے بجائے باہر ہی باہر میرے یہاں آ گئے ہو، کھانا کھالو، میں نے کہا، کھانے کی حاجت نہیں ہے، حدیث بیان فرمادیں، چنانچہ انہوں نے اسی وقت سترہ حدیثیں بیان کیں اور کہا اس سے تم کو کیا فائدہ کہ میں حدیثیں بیان کردوں اور تم یاد نہ کرو، میں نے کہا آپ کہیں تو میں ابھی سبھی حدیثوں کو سنادوں اور اسی وقت ان کو زبانی سنادیا۔

ایک روایت میں ہے کہ میں نے اپنی تختیاں دکھائیں، تو ابن شہاب نے

مزید چالیس حدیثیں لکھائیں، انہوں نے کہا، اگر تم ان کو یاد کرلو تو ان کے حافظ ہو جاؤ گے میں نے کہا کہ ان کو بھی زبانی سنا سکتا ہوں، ابن شہاب نے کہا سناؤ میں نے وہ تمام حدیثیں سنا دیں اور انہوں نے کہا:

قم فانت من اوعية العلم اوقال انك لنعم المستودع للعلم، ۔(ترتیب المدارک ج ۱ ص ۱۲۲)

اٹھو تم علم کا خزانہ ہو یا یہ کہ تم علم کے لیے بہترین خزانہ ہو۔

ابن شہاب زہری صرف محدث ہی نہیں تھے، بلکہ جلیل القدر فقیہ بھی تھے، جن سے امام مالک نے حدیث وفقہ دونوں شعبوں میں فیض پایا تھا۔ امام مالک فرماتے ہیں:

میں نے مدینہ میں صرف ایک محدث کو فقیہ پایا، پوچھا گیا کون؟ جواب دیا، ابن شہاب زہری۔ (طبقات ابن سعد ج ۲ ص ۳۸۸)

انتخاب شیوخ میں احتیاط

متذکرہ بالا بلند قامت علمی ہستیاں وہ ہیں، جن سے امام مالک نے برسہا برس طلب علم کیا اور مدتوں ان کے حلقہائے درس سے وابستہ رہے۔ ویسے امام مالک مدینہ منورہ کی انہیں علمی شخصیتوں سے حدیث لیتے تھے، جو ان کے نزدیک متقن، ضابط اور ثقہ ہیں۔ خود فرماتے ہیں:

ان هذا العلم دين فانظروا عمن تاخذون دينكم لقد ادركت سبعين ممن يقول قال فلان قال رسول الله صلى الله عليه وسلم عند هذه الاساطين فاشار الى مسجد الرسول صلوات الله وسلامه عليه فما اخذت عنهم وان احدهم لو اوتمن على بيت مال لكان به امينا الا انه لم يكونوا من اهل هذا الشان ۔(مالک حیاتہ وعصرہ ص ۹۲)

بے شک یہ علم حدیث دین ہے، تو دیکھو، تم کس سے دین حاصل

کر رہے ہو، میں نے ستر ایسے افراد کو پایا، جو کہتے تھے فلاں نے ان ستونوں کے پاس کہا، اللہ کے رسول نے فرمایا اور اشارہ کرتے مسجد نبوی صلوات اللہ وسلامہ علیہ کی طرف پھر بھی میں نے ان سے حدیث نہیں لی، جب کہ ان میں سے ہر ایک اس رتبے کا تھا کہ اگر بیت المال کا امین بنایا جاتا تو اس کے لائق تھا، لیکن وہ لوگ اس رتبہ کے نہیں تھے، کہ ان سے حدیث قبول کی جائے۔

امام صاحب کا بیان ہے، کہ میں نے اس شہر مدینہ میں ایسے بزرگوں کو پایا ہے، جن کے وسیلے سے طلب باراں کی دعا کی جائے، تو ضرور بارش ہو جائے، انہوں نے احادیث کی روایت بھی کی تھی، مگر میں نے ان حضرات سے حدیث نہیں اخذ کی تھی، کیوں کہ وہ خوف خدا اور زہد وتقویٰ کی زندگی اختیار کر چکے تھے اور یہ علم دین اور علم حدیث وفقہ زہد وتقویٰ اور خوف خدا کے ساتھ اتقان فہم کا بھی متقاضی ہے، تا کہ روایت کرنے والا سمجھ سکے، کہ وہ کیا کہہ رہا ہے اور کل اس کا انجام کیا ہوگا، جس عالم میں اتقان معرفت اور دین کی فہم نہ ہو، نہ حجت اور دلیل ہو سکتا ہے اور نہ اس سے علم دین حاصل کیا جا سکتا ہے، ہم کو حق نہیں ہے، کہ ان کو متہم قرار دیں مگر وہ علم حدیث کے حامل نہیں ہیں۔
امام صاحب نے یہ بھی کہا ہے، کہ میں نے بہت سے اہل علم کو دیکھا ہے جنہوں نے صحابہ کا زمانہ پایا ہے، مگر ان سے علم حاصل نہیں کیا ہے۔ امام مالک چلتے پھرتے عجلت اور قیام کی حالت میں سماع حدیث اور اس کی کتابت کو ناپسند کرتے اور احترام حدیث کے خلاف سمجھتے تھے۔ اگر اس قسم کے مواقع آتے، تو وہ بے نیازی سے آگے بڑھ جاتے جیسا کہ واقعات ذیل سے معلوم ہوتا ہے:

سئل مالك هل سمع عمرو بن دينار فقال رايته يحدث والناس قيام يكتبون فكرهت ان اكتب حديث رسول الله صلى الله عليه وسلم وانا قائم۔

امام مالک سے پوچھا گیا آپ نے عمرو بن دینار سے حدیث سنی ہے تو کہا میں نے ان کو حدیث بیان کرتے ہوئے دیکھا اور طلبہ کھڑے کھڑے لکھ رہے تھے تو میں نے ناپسند کیا کہ کھڑے ہو کر حدیث رسول لکھوں۔

ومر مالك بابى الزناد وهويحدث فلم يجلس اليه فلقيه بعد ذالك فقال له مامنعك ان تجلس الى قال كان الموضع ضيقا فلم ارد ان احدث حديث رسول الله صلى الله عليه وسلم وانا قائم ۔(مالك حياته وعصره ص ۳۸)

امام مالک ابوالزناد کے پاس سے گزرے اور وہ حدیث بیان کر رہے تھے مگر وہ وہاں بیٹھے نہیں، اس کے بعد ابوالزناد امام مالک سے ملے تو ان سے کہا آپ میرے یہاں کیوں نہیں بیٹھے تو امام صاحب نے کہا جگہ تنگ تھی، میں نے کھڑے ہو کر حدیث رسول لکھنا مناسب نہیں سمجھا۔

ربما جلس الينا الشيخ فيحدث جل نهاره ماناخذ عنه حديثا واحدا مابنا ان نتهمه ولكن لم يكن من الحديث وكيف لا ينظر مالك فى الرجال ويفحص الاسانيد وهو القائل ادركت جماعة من اهل المدينة مااخذت عنهم شيئا من العلم وانهم لمن يوخذ عنهم العلم وكانوا اصنافا فمنهم من كان كاذبافى احاديث الناس ولايكذب فى علمى فتركته لكذبه فى غير علمه ومنهم من كان جاهلا بما عنده فلم يكن عندى اهلا لاخذ عنه ومنهم من كان يرى براى سوء وكيف لايكون مالك محدثا وهذا يحيىٰ

بن سعید القطان یقول کان مالکاماما فی الحدیث وھذا ابو قدامۃ یقول کان مالك احفظ اھل زمانہ

(الحدیث والمحدثون ص ۲۵۸)

بسا اوقات ایک شیخ ہمارے پاس بیٹھ کر دن بھر حدیثیں بیان کرتا رہتا تھا، مگر ہم اس سے ایک حدیث بھی اخذ نہ کرتے، ہم اس پر دروغ گوئی کی تہمت عائد نہیں کرتے تھے، صرف بات یہ تھی، کہ وہ محدث نہیں ہوتا تھا، امام مالک کا قول ہے: اہل مدینہ کی ایک جماعت سے میری ملاقات ہوئی، مگر میں نے ان سے مطلقاً علمی استفادہ نہیں کیا، حالاں کہ لوگ ان کے چشمہ علم سے سیراب ہوتے تھے، یہ لوگ کئی قسم کے تھے، ان میں سے ایک قسم کے لوگ تو وہ تھے، جو لوگوں کے ساتھ بات چیت میں دروغ گوئی کے عادی تھے، مگر علمی باتوں میں جھوٹ نہیں بولتے تھے، تاہم میں نے ان کے جھوٹ کی بنیاد پر ان سے استفادہ نہیں کیا دوسری قسم کے لوگ جاہل تھے، اور میری نگاہ میں اس بات کے مستحق نہ تھے، کہ ان سے حدیثیں اخذ کی جائیں، تیسری قسم کے لوگ وہ تھے جن کے بارے میں عوام الناس اچھی رائے کا اظہار نہیں کرتے تھے۔ یحییٰ بن سعید قطان جیسے محدث امام مالک کے بارے میں کہتے ہیں: امام مالک امام فی الحدیث تھے۔ ابو قدامہ فرماتے ہیں: امام مالک اپنے زمانے کے سب سے بڑے حافظ حدیث تھے۔

اخذ حدیث میں اس حزم واحتیاط کے باوجود امام مالک کے شیوخ کی تعداد بقول زرقانی نوسو سے زائد اور بقول غافقی ۹۵ رہے، جب کہ امام مالک نے طلب علم کے لیے معدن علم مدینہ سے باہر قدم نہیں نکالا۔ علامہ ابن حجر عسقلانی نے اہم شیوخ کے اسما اس طرح درج کیے ہیں:

عامر بن عبداللہ بن زبیر بن عوام، نعیم بن عبداللہ المجمر، زید بن اسلم، نافع مولی ابن عمر، حمید الطویل، سعید مقبری، ابوحازم سلمہ بن دینار، شریک بن عبداللہ بن ابونمر، صالح بن کیسان، زہری، صفوان بن سلیم، ربیعہ بن عبدالرحمٰن رائی، ابوالزناد، ابن منکدر، عبداللہ بن دینار، ابوطوالہ، یحییٰ بن سعید، عمرو بن ابوعمرو مولی المطلب، علا بن عبدالرحمٰن، ہشام بن عروہ، یزید بن مہاجر، یزید بن عبداللہ بن خصیفہ، ابوزبیر مکی، ابراہیم، موسیٰ بن عقبہ، ایوب سختیانی، اسماعیل بن ابوحکیم، حمید بن عبدالرحمٰن، جعفر بن محمد صادق، حمید بن قیس مکی، داؤد بن حسین، زیاد بن سعد، زید بن رباح، سالم ابونضر، سمی مولی ابوبکر بن عبدالرحمٰن، سہیل بن ابوصالح، صیفی مولی ابوایوب، ضمرہ بن سعید، طلحہ بن عبدالملک ایلی، عبداللہ بن ابوبکر بن حزم، عبداللہ بن فضل ہاشمی، عبداللہ بن یزید مولی اسود، عبدالرحمٰن بن عبداللہ بن ابوصعصعہ، عبدالرحمٰن بن قاسم، عبیداللہ بن ابوعبداللہ اغر، عمرو بن مسلم بن عمارہ بن امیمہ، عمرو بن یحییٰ بن عمارہ، قطن بن وہب، ابوالاسود یتیم عروہ، محمد بن عمرو بن حلحلہ، محمد بن یحییٰ بن حبان، مخرمہ بن بکیر وغیرہم

(تہذیب التہذیب ج ۱۰ ص ۵)

امام مالک نے قرآن حکیم بچپن ہی میں حفظ کرلیا تھا اور قرأت وتجوید کی تعلیم بعد میں اپنے زمانے کے امام القرا ابورویم نافع بن عبدالرحمٰن متوفی ۱۶۹ھ سے حاصل کی، جن کی قرأت آج تمام دنیائے اسلام کا معمول بہا ہے۔

دور تحصیل علم کی تنگ دستی

امام مالک کا خاندان ثروت و دولت سے خالی تھا، ان کے والد تیر سازی کی صنعت سے کسب معاش کرتے تھے، قاضی عیاض لکھتے ہیں: ”کان یعیش من صنعة النبل“ (ترتیب المدارک ج ۱ ص ۱۰۸)

اور امام صاحب کے بھائی بزازی کرتے تھے، خود امام صاحب بھی ان کے ساتھ کپڑے فروخت کیا کرتے تھے، ظاہر ہے، ان پیشوں سے تعلق رکھنے والے افراد خوش

حال زندگی نہیں گزار سکتے۔ یہی وجہ ہے کہ امام صاحب طلب علم کے پورے دور میں عسرت و تنگ دستی کے مصائب جھیلتے رہے۔ اگرچہ طلب علم کے بعد امام صاحب بہت مرفہ الحال ہو گئے تھے، ایک بار خلیفہ ابو جعفر منصور عباسی کو امام صاحب نے رعایا کی خبر گیری کی نصیحت کی تو منصور نے کہا کیا یہ واقعہ نہیں ہے، کہ جب آپ کی بچی بھوک کی وجہ سے روتی تھی، تو آپ خادمہ کو خالی چکی چلانے کا حکم دیتے تھے، تو وہ چکی چلاتی تھی، تاکہ پڑوسی رونے کی آواز نہ سن سکیں، تو امام مالک نے ارشاد فرمایا "واللہ ماعلم بھذا احد الا اللہ" خدا کی قسم اس بات کو اللہ کے سوا کسی نے نہیں جانا۔ تو منصور نے کہا "فعلمت ھذا ولا اعلم احوال رعیتی" جب میں اس کو جانتا ہوں تو کیا رعایا کا حال مجھے معلوم نہ ہوگا۔ (مالک حیاتہ وعصرہ ص ۴۹)

یہ عسرت و تنگ دستی محض اس بنیاد پر تھی، کہ امام مالک کا انہماک فی العلم کسی وسیع تجارت کی اجازت نہ دیتا تھا، یہی وجہ تھی، کہ کبھی کبھی افلاس و تنگ دستی چھت کی لکڑی بیچنے پر مجبور کر دیتی تھی، ابن قاسم کہتے ہیں:

اقضی بمالك طلب العلم الی ان نقض سقف بیته فباع خشبه ثم مالت علیه الدنیا بعد. (الدیباج المذھب بحوالہ مالك حیاته وعصره)

طلب علم کی مصروفیات نے امام مالک کو اس قدر مفلوک الحال کر دیا تھا، کہ اپنے مکان کی چھت کو توڑا اور اس کی لکڑیاں فروخت کیں اس کے بعد دنیا ان کی طرف مائل ہوئی یعنی وہ خوش حال ہو گئے۔

یہ افلاس اور معاشی تنگی امام صاحب کو طلب علم کی جدوجہد کے لیے حارج نہ ہو سکی اور وہ پورے صبر و استقلال کے ساتھ تحصیل علم کی راہ میں سرگرداں رہے۔

علمی مقام و مرتبہ

امام مالک نے بے پناہ قوت حفظ و ذہانت اور بے پایاں ذوق و شوق کے ساتھ

معدن علم وفضل مدینہ منورہ کے اساطین علما سے قرآن وحدیث، فقہ وفتاوی کا درس لیا اور ان علما کے ذخیرہ علم کو اپنے سینے میں محفوظ کر کے علم وعرفان کا عظیم خزانہ فراہم کرلیا، اس طرح حدیث وفقہ میں ممتاز محدث اور فقیہ بن گئے۔ زمانہ طالب علمی میں آپ کا انہاک علم دیکھ کر امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا تھا:

ان كان نجيباً منهم فالاشقر الازرق يعني مالكا۔

اگر ان میں سے کوئی نجیب ہوگا تو سرخی مائل مالک۔

دوسری روایت میں ہے، کہ امام ابوحنیفہ نے کہا، میں نے مدینہ میں علم کو بکھرا ہوا دیکھا ہے اگر کوئی اس کو جمع کرے گا تو یہی لڑکا۔ چنانچہ امام اعظم ابوحنیفہ کی پیشین گوئی حرف بحرف صادق آئی اور تنہا امام مالک کی ذات میں تمام اہل مدینہ کا علم سمٹ کر آ گیا اور آپ امام دارالہجرت کے لقب سے مشہور ہوئے۔ امام صاحب کے معاصر واقران اور بعد میں آنے والے علمائے اسلام نے امام دارالہجرت کی ممتاز علمی شخصیت کا اعتراف کیا ہے۔

☆امام اعظم ابوحنیفہ:۔ ''ما رايت اسرع منه لجواب صادق ونقد تام'' میں نے امام مالک سے زیادہ جلد صحیح جواب دینے والا اور کامل نقاد حدیث کسی کو نہیں دیکھا۔ (مالک ص ۱۵)

☆امام شافعی:۔ ''اذا ذكر العلماء فمالك النجم لولا مالك وابن عيينة لذهب علم الحجاز'' امام مالک علما کے درمیان درخشندہ ستارے ہیں، اگر امام مالک اور سفیان بن عیینہ نہ ہوتے تو حجاز کا علم رخصت ہو جاتا۔ (تذکرۃ الحفاظ ج ا ص ۱۹۴)

☆سفیان بن عیینہ:۔ ''ما ترك على ظهر الارض مثله'' امام مالک نے روئے زمین پر اپنا مثل نہیں چھوڑا۔ (ایضا)

☆مصعب بن زبیری:۔ ''كان مالك ثقة مامونا ثبتا ورعا فقيها عالما

حـجة' امام مالک ثقہ، مامون، ثبت، متقی، فقیہ، عالم اور حجت تھے۔ (تہذیب التہذیب ج ۱۰ ص ۷)

☆امام شافعی:۔ "مالك حجة الله تعالیٰ علی خلقه بعد التابعين' امام مالک تابعین کے بعد مخلوق خدا پر حجت ہیں۔ (ایضا)

☆عبدالرحمٰن بن مہدی:۔ "ما رایت رجلا اعقل من مالك' میں نے امام مالک سے بڑا عقلمند نہیں دیکھا۔ (ایضا)

☆امام اوزاعی:۔ امام مالک استاذ العلماء، عالم حجاز اور مفتی حرمین ہیں۔

(تذکرۃ المحدثین ص ۱۰۳)

☆امام ابو یوسف:۔ "ما رایت اعلم من ثلثة مالك وابن ابی لیلیٰ وابی حنیفة" میں نے تین اشخاص سے بڑا عالم نہیں دیکھا مالک، قاضی ابن ابی لیلیٰ اور ابو حنیفہ۔ (مالک ص ۷۶)

☆امام احمد:۔ "مالك سيد من سادات اهل العلم وهو امام فی الحديث والفقه ومن مثل مالك متبع لآثار من مضی مع عقل وادب' امام مالک اہل علم کے سردار ہیں اور وہ حدیث وفقہ میں امام ہیں، امام مالک جیسا کون ہے؟ وہ عقل وادب کے ساتھ اپنے پیش رو علمائے اسلام کی پیروی کرنے والے ہیں۔

(مالک ص ۷۷)

مسجد نبوی علوم اسلامی کی مرکزی درسگاہ

مسجد نبوی کی تعمیر کے بعد نماز باجماعت کے قیام کے ساتھ ہی ساتھ سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کے لیے دین وشریعت کی تعلیم وتربیت کا باضابطہ نظام قائم فرمایا، جسے مجلس یا حلقہ کے نام سے یاد کیا جاتا تھا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نماز فرض کے بعد ستون ابولبابہ رضی اللہ عنہ کے پاس تشریف لاتے، جہاں پہلے سے اصحاب صفہ، ضعفاومساکین، مولفۃ القلوب اور باہر سے آنے والے افراد اور وفود حلقہ بنا کر بیٹھے رہتے تھے، آپ ان کو قرآن، حدیث، تفقہ اور دین کی تعلیم دیتے اور ان کی دل جوئی ودل داری فرماتے۔

حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا، کہ کیا آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں بیٹھا کرتے تھے، تو انہوں نے فرمایا، کہ ہاں میں بہت زیادہ آپ کی مجلس میں شریک رہا کرتا تھا، جب تک آفتاب طلوع نہیں ہوتا تھا، آپ مصلے پر رہتے تھے اور طلوع آفتاب کے بعد اٹھ کر مجلس میں تشریف لاتے تھے۔

اس حلقہ درس میں قرآن، دینی احکام ومسائل، مکارم اخلاق، تہذیب نفس، تزکیہ باطن کی تعلیم وتربیت، اصحابہ صفہ، مہاجرین وانصار باہر سے آنے والے وفود واشخاص کو دی جاتی تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان طالبان علم کو بشارت عظمی سے سرفراز فرمایا:

مرحبا بطالب العلم ان طالب العلم لتحف به الملائكة وتظله باجنحتها فيركب بعضها بعضا حتى تعلو الى السماء الدنيا من حبهم لما يطلب ۔(جامع بیان العلم ج۱ص۳۲)

مرحبا طالب علم کے لیے، طالب علم کو اس کے طلب علم سے محبت کی وجہ سے فرشتے گھیرے رہتے ہیں اور اپنے پروں سے اس پر سایہ کرتے ہیں، ان کی جماعت نیچے اوپر آسمان دنیا تک ہوتی ہے۔

مدینہ اور اطراف مدینہ کے بہت سے لوگ جو اپنی مصروفیات کی وجہ سے روز درسگاہ نبوی میں حاضری نہیں دے سکتے تھے، تو باری باری سے دربار رسالت میں حاضر ہوتے اور اپنے بھائیوں کو اس روز کی تعلیمات کی خبر دیتے۔ حضرت عمر فرماتے ہیں:

کنت انا وجار لی من الانصار فی بنی امیة بن زید وھی من عوالی المدینة وکنا نتناوب النزول علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ینزل یوما وانزل یوما فاذا نزلت جئته بخبر ذالك الیوم من الوحی وغیرہ واذانزل فعل مثل ذالك ۔ (بخاری باب التناول فی العلم)

میں اور عوالی مدینہ میں قبیلہ بنی امیہ بن زید کا ایک انصاری پڑوسی ہم دونوں باری باری رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے یہاں جاتے تھے، ایک دن وہ جاتا اور ایک دن میں جاتا، جب میں جاتا تو اس دن کی وحی وغیرہ کی خبر لاتا اور جس دن وہ جاتا اسی طرح کرتا تھا۔

معلم کتاب وحکمت کا طریقہ درس یہ تھا، کہ تمام حاضرین مجلس کو اس طرح تعلیم دیتے تھے، کہ عالم، جاہل، شہری، بدوی، عربی، عجمی، بوڑھے، بچے، جوان پوری طرح فیض اٹھاتے تھے اور آپ کی ہر بات سب کے دل میں اتر جاتی تھی۔

حضرت انس فرماتے ہیں:

انه کان اذتکلم بکلمة اعادھا ثلاثا حتی تفھم عنه واذا اتی علی قوم فسلم علیھم ثلاثا

(بخاری کتاب العلم باب من اعاد الحدیث ثلاثا لیفھم عنہ)

جب آپ کوئی بات کہتے تھے، تو تین بار کہتے تھے، تاکہ سمجھ لی جائے اور
جب کسی جماعت کے پاس جاتے تو ان کو تین بار سلام کرتے تھے۔

حاضرین مجلس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دینی امور کے بارے میں سوالات کرتے تھے اور حضور ان کے جوابات دیتے تھے۔

• حضرت مقداد بن اسود کہتے ہیں، کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا، کہ یا رسول اللہ میں نے ایک بات آپ سے سنی ہے، جس کے بارے میں مجھے تردد ہے۔ آپ نے فرمایا "**اذا شك احدكم فى الامر فليسئلنى عنه**" جب تم میں سے کوئی کسی بات میں شک کرے تو مجھ سے پوچھ لے۔ اس کے بعد مقداد بن اسود نے اپنا شک بیان کیا اور آپ نے ان کو تسلی بخش جواب دیا۔ (الفقیہ والمتفقہ ج۲ ص۱۳۷)

سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے دین وشریعت کی تعلیم وتربیت کا جو عرفانی نظام مسجد نبوی میں قائم کیا، اس سے صحابہ کرام پورے طور پر مستفیض ہوئے اور اپنی جگہ علم وعرفان کے بلند مینار بن گئے اور یہی صحابہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت کے بعد کتاب وسنت، فقہ وفتویٰ اور دینی علوم وفنون کے حامل وناشر اور معلم وترجمان تھے، جن کے بارے میں خیار امت کا بیان ہے:

> **كان اصحاب محمد صلى الله عليه وسلم ابر هذه الامة قلوبا واعمقها علما واقلها تكلما واحسنها خلقا واصدقها ايمانا اولئك قوم اختارهم الله لصحبة نبيه وتبليغ دينه .**
>
> رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام امت میں سب سے زیادہ پاکیزہ دل، علم میں سب سے زیادہ گہرے، کم گو، اخلاق میں سب سے بہتر، ایمان میں سب سے سچے تھے، ان کو اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کی صحبت اور اپنے دین کی تبلیغ کے لیے منتخب کیا تھا۔

رحلت نبوی کے بعد قرآن وسنت کے حامل صحابہ بلاد وامصار میں پھیل گئے انہوں نے اپنے اپنے قبیلوں، شہروں، قصبوں قریوں اور مفتوحہ علاقوں میں اسلام کی اشاعت اور علوم نبویہ کی تعلیم وتربیت کا عمل جاری رکھا۔

امام ابومحمد عبدالرحمٰن بن ابوحاتم رازی رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب الجرح والتعدیل کے مقدمہ میں لکھا ہے:

ثم تفرقت الصحابة رضی الله عنهم فی النواحی والامصار والثغور وفی فتوح البلدان والامارة والقضاء والاحكام فبث كل واحد منهم فی ناحية وبالبلد الذی هوبه ماوعاه وحفظه عن رسول الله صلى الله عليه وسلم حكموا بحكم الله عز وجل وامضوا الامور على ما سن رسول الله صلى الله عليه وسلم وافتوا فی ما سئلوا عنه وبما حضرهم من جواب رسول الله صلى الله عليه وسلم عن نظائرها من المسائل وجردوا انفسهم مع حسن النية والقربة الى الله تقدس اسمه لتعليم الناس الفرائض والاحكام والسنن والحلال والحرام حتى قبضهم الله عز وجل رضوان الله ومغفرته ورحمة الله عليهم اجمعين ۔ (مقدمۃ الجرح والتعدیل ص ۸)

حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم عالم اسلام کے اطراف ونواحی، بلاد وامصار، سرحدوں میں اور فتوحات، امارت، قضا اور تبلیغ احکام کے سلسلہ میں پھیل گئے اوران میں سے ہر ایک نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جو کچھ سنا دیکھا اور یاد کیا تھا سب کو عام کیا، اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق فیصلہ کیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے موافق ہر معاملہ میں عمل کیا اوران سے کیے گئے سوال میں وہی فتویٰ دیا جو اس

جیسے سوال میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا تھا۔لوگوں کو فرائض،احکام،سنن،حلال،حرام کی تعلیم کے لیے حسن نیت اور تقرب خداوندی کے جذبہ کے ساتھ اپنے آپ کو وقف کر دیا اور اسی میں زندگی بسر کی،یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو اٹھالیا۔

ایک قول کے مطابق مدینہ منورہ میں صحابہ کرام کی تعداد تیس ہزار تھی،ان میں سے ہر ایک دین وشریعت کا معلم ومربی تھا،خصوصیت کے ساتھ مسجد نبوی میں جن اکابر علمائے صحابہ کے حلقے قائم ہوا کرتے تھے ان میں حضرت ابی بن کعب،حضرت جابر بن عبداللہ،حضرت ابوہریرہ،حضرت ابوسعید خدری،حضرت زید بن ثابت،حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنھم قابل ذکر ہیں۔

عہد فاروقی میں مسجد نبوی کے تعلیمی حلقوں میں صرف اہل مدینہ ہی نہیں بلکہ دور دراز علاقوں سے طالبان علم سفر کی تکلیفیں برداشت کر کے مدینہ آتے انہی حلقوں میں حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کا حلقہ تھا،جس میں خاص طور سے بیرونی طلبہ شریک ہوتے تھے۔

مسجد نبوی کے تعلیمی حلقے ستونوں کے پاس قائم ہوا کرتے تھے،اس طرح کہ سارے طلبا اپنے معلم صحابی کے گرد حلقہ باندھ کر بیٹھ جاتے اور ان سب کے چہرے معلم کی طرف ہوتے،حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے مسجد نبوی کی توسیع کی اور پتھر کے ستون نصب کرائے تو علمی حلقوں کے لیے مزید گنجائش پیدا ہوگئی،عہد عثمانی کے حلقوں کا ذکر عبداللہ بن مسعود کے شاگرد اس طرح کرتے ہیں''عھدی لھذ المسجد وانہ کمثل الروضة اختر منھا حیث شئت'' اس مسجد میں میرا وہ دور گزرا ہے جب یہ باغیچہ کے مانند تھی،تم اس کے جس حصہ میں چاہو بیٹھ جاؤ۔(المحدث الفاصل ص ۱۸۰)

حضرات صحابہ کرام اپنی مجلسوں میں باوضو جاتے تھے،اولا دو رکعت تحیۃ المسجد پڑھتے تھے پھر انتہائی متانت و وقار کے ساتھ قبلہ رو بیٹھتے،بسم الرحمٰن الرحیم اور حمد وصلاۃ

کے بعد درس کا آغاز کرتے، مضامین درس کتاب وسنت اور تفقہ فی الدین ہوا کرتے، جو صاحب علم صحابی جس مضمون میں ممتاز ہوتے، ان کے درس میں اسی کا رنگ غالب ہوتا، البتہ تمام معلم صحابہ روایت حدیث میں مشترک ہوتے اور اپنے اصول وانداز کے مطابق حدیثیں حلقہ درس میں بیان کرتے۔

درس حدیث کے مختلف طریقے رائج تھے، جن کے لیے بعد میں محدثین نے اصطلاحی الفاظ مقرر کیے۔ درس حدیث کی مندرجہ ذیل صورتیں دور صحابہ میں تھیں۔

(۱) صحابہ شاگردوں کے سامنے حدیث بیان کرتے اور شاگرد اسے زبانی یاد کرتے یا قلم بند کیا کرتے، تحدیث کا یہ سب سے عمدہ اور اعلیٰ طریقہ تھا، بالعموم یہی رائج تھا، شاگرد ایسی صورت میں سمعنا حدثنا اور اخبرنا کہتے تھے، صحیفہ ہمام بن منبہ میں ہے:

هذا ما حدثنا ابوهريرة عن محمد رسول الله صلى الله عليه وسلم قال الخ (المحدث الفاصل ص ۳۷۹)

(۲) شاگرد اپنے شیوخ صحابہ کے سامنے ان کا تحریر کردہ نسخہ پڑھتے اور شیوخ صحابہ ان کی تصدیق کرتے، اس صورت کو عرض یا عرض القراۃ کہتے ہیں۔

(۳) شیوخ صحابہ مجلس درس میں اپنی کتاب حدیث پڑھ کر سناتے اور طلبہ سنتے تھے۔

(۴) بعض معلم صحابہ اپنی احادیث کا نسخہ تیار کرتے اور طلبہ کو دے دیتے اور وہ اس کی روایت کرتے اس طریقہ کو مناولہ یا عرض مناولہ کہتے ہیں۔

اختتام درس پر صحابہ کرام اپنے لیے اور شرکائے مجلس کے لیے دعا کرتے، حضرت عبداللہ بن عمر اس موقع پر یہ دعا پڑھتے تھے اور کہتے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسی دعا کو پڑھتے تھے:

اللهم اقسم لنا من خشيتك ماتحول بيننا وبين معصيتك ومن طاعتك وماتبلغنا به الى حبك ومن اليقين ماتهون

علینا مصائب الدنیا به اللهم متعنا باسماعنا وابصارنا وقوتنا ما احییتنا واجعله الوارث منا واجعل ثارنا علی من ظلمنا وانصرنا علی من عادانا ولاتجعل مصیبتنا فی دیننا ولاتجعل الدنیا اکبر همنا ولا مبلغ علمنا ولا تسلط علینا من لا یرحمنا۔

اے اللہ! ہم کو اپنی خشیت دے، جو ہمارے اور تیری معصیت کے درمیان حائل ہو جائے اور اپنی اطاعت دے جو ہم کو تیری محبت عطا کرے اور یقین دے، جس سے تو ہم پر دنیا کے مصائب آسان کردے۔ اللہ! جب تک تو ہم کو زندہ رکھے ہمارے کان ہماری آنکھ، ہماری قوت سے ہم کو نفع پہنچا اور ہماری طرف سے اس تمتع کو وارث بنا اور ہمارے خوں بہا کو ہمارے ظالموں پر ڈال دے اور ہمارے دشمنوں کے مقابلے میں ہماری مدد فرما اور ہم کو دینی مصائب میں مبتلا نہ کر اور دنیا کو ہمارا سب سے بڑا مقصد اور ہمارے علم کا منتہیٰ نہ بنا اور ہم پر ایسے (فرد یا قوم) کو مسلط نہ کر جو ہم پر رحم نہ کرے۔

احادیث میں مجلس کے خاتمے پر دوسری دعائیں بھی منقول ہیں، جن کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام پڑھتے تھے۔

علم دین کے معلم وناشر تمام صحابہ نہیں تھے، بلکہ ان میں ایک خاص طبقہ مرجع عام تھا اور اس کے تعلیمی حلقے قائم تھے، جس میں تابعین شریک ہو کر تحصیل علم کیا کرتے تھے ابن خلدون کا بیان ہے:

ثم ان الصحابة کلهم لم یکونوا اهل فتیا ولاکان الدین یوخذ عن جمیعهم وانما کان ذالك مختصا بالحاملین للقرآن العارفین بناسخه ومنسوخه ومتشابهه ومحکمه

وسائر دلائله بما تلقوه من النبي صلى الله عليه وسلم او ممن سمعه منهم وكانوا يسمعون لذالك القراء اى الذين يقرؤن الكتاب .

تمام صحابہ نہ اہل فتویٰ تھے اور نہ ہی ان سب سے علم دین حاصل کیا جاتا تھا، بلکہ تحصیل علم کا تعلق ان صحابہ کے ساتھ خاص تھا، جو قرآن کے حامل تھے اور اس کے ناسخ ومنسوخ متشابہ ومحکم اور اس کے سارے بیانات کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے حاصل کیا تھا یا اپنے طبقہ کے ان لوگوں سے حاصل کیا تھا، جنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے براہ راست حاصل کیا، یہ حضرات قراء کہے جاتے تھے۔

خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل علم صحابہ کو لوگوں کی تعلیم وتربیت کے لیے مقرر کیا یا ان کی نشان دہی فرمائی ان حضرات نے عہد رسالت کے بعد تعلیمی مجلسیں قائم کیں اور پھر ان کو امت اسلام میں دینی علمی مرجعیت حاصل ہوئی، یوں تو دائرہ اسلام کی وسعت کی وجہ سے بہت سے صحابہ مختلف اطراف وبلاد میں پھیل گئے، لیکن ایک بڑا طبقہ مدینہ منورہ میں مصروف تعلیم وتعلم رہا اور مدینہ کو علم کی مرکزیت کا شرف حاصل رہا۔

تابعین عظام

صحابہ کرام کے بعد تابعین کا دور شروع ہوا انہوں نے بھی تعلیم دین کی وہی روش اور طریقہ اختیار کیا جو انہیں صحابہ کرام سے ورثہ میں ملا تھا، تابعین کی مجلسوں میں وقت اور حالات کے مطابق کچھ مضامین ومباحث کا اضافہ ہوگیا تھا، تفسیر، حدیث، فقہ وفتاوی، انساب، ایام عرب وغیرہ کی تعلیم وتدریس کا بھی اہتمام کیا گیا۔ یہ مستقل تعلیمی حلقے اپنے تلامذہ کی تعلیم وتربیت میں مصروف رہتے۔ امام ابن ابوحاتم رازی فرماتے ہیں:

فخلف بعدهم التابعون الذين اختارهم الله عز وجل لاقامة

دینہ وخصھم بحفظ فرائضہ وحدودہ وامرہ ونھیہ واحکامہ وسنن رسولہ صلی اللہ علیہ وسلم وآثارہ فحفظوا عن صحبۃ رسو ل اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مانشروہ وبثوہ من الاحکام والسنن والآثار وسائرما وصفنا الصحابۃ بہ رضی اللہ عنھم فاتقنوہ وعلموہ وفقھوا فیہ فکانوا من الاسلام والدین ومراعۃ امر اللہ عزوجل ونصبھم لہ اذیقول اللہ والذین اتبعوھم باحسان رضی اللہ عنھم ورضوا عنہ ۔ (تقدمۃ الجرح والتعدیل ص ۸،۹)

صحابہ کے بعد تابعین ان کے جانشین ہوئے، جن کو اللہ نے اپنے دین کی اقامت اور اپنے فرائض، حدود، امر، نہی، احکام اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سنن وآثار کی حفاظت کے لیے پسند اور مخصوص کیا تھا، چنانچہ تابعین نے ان تمام احکام وسنن، آثار وغیرہ کو یاد رکھا، جن کو صحابہ رضی اللہ عنہم نے سکھایا، پڑھایا اور عام کیا تھا، اس کو اچھی طرح حاصل کر کے تفقہ سے کام لیا اور اسلام، دین اور اللہ کے امر ونہی کی حفاظت کے معاملے میں اسی مقام ومنصب پر رہے، جس پر اللہ نے ان کو رکھا تھا، ان کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، والذین اتبعوھم باحسان رضی اللہ عنھم ورضوا عنہ ۔

اخیر عہد صحابہ میں فتنوں کا آغاز ہو چکا تھا، اہل ہوی اپنے مقاصد کے لیے حدیثوں میں تحریف اور وضع کے مرتکب ہو رہے تھے، چوں کہ احادیث رسول دین کی اساس ہے اسی بنا پر صحابہ میں حضرت ابن عباس حضرت ابوہریرہ تابعین میں حسن بصری، محمد بن سیرین، زید بن اسلم، ابراہیم نخعی وغیرہ نے اخذ حدیث کے سلسلے میں یہ تاکید فرمادی تھی، کہ ثقہ اور متدین راویوں ہی سے حدیث لی جائے۔

ان هذا العلم دين فانظروا عمن تاخذون دينكم ۔

(مقدمہ مسلم)

یہی وجہ ہے کہ تابعین کرام نے حدیثوں کو کذب وافترا سے پاک رکھنے کے لیے راویوں کو پرکھنے کا اہتمام کیا، نقد وجرح کے ابتدائی اصول بنائے اور علما نے حدیثوں کے حفظ وتفتیش میں خاص طور پر کوشش کی اور روایت حدیث میں سندوں کا اہتمام کیا گیا۔

حضرت محمد بن سیرین کہتے ہیں:

كان في زمن الاول الناس لايسالون عن الاسناد حتى وقعت الفتنة فلما وقعت الفتنة سالوا عن الاسناد ليحدث حديث اهل السنة وليترك حديث اهل البدعة ۔ (مقدمہ مسلم)

پہلے زمانے میں لوگ سند کے بارے سوال نہیں کرتے تھے، یہاں تک کہ فتنہ برپا ہوگیا، اس کے بعد سند کے متعلق سوال کرنے لگے، تاکہ اہل سنت کی حدیث بیان کی جائے اور اہل بدعت کی حدیث چھوڑ دی جائے۔

عہد تابعین میں حدیث وفقہ، تفسیر وقرآن کی تعلیم کا ذوق اتنا پروان چڑھا کہ لوگ دور دراز خطوں سے سفر کر کے مدینہ منورہ حاضر ہوتے اور اکابر تابعین کی درس گاہوں سے خوب خوب فیض حاصل کرتے، ان واردین مدینہ میں عام علما، طلبہ کے علاوہ خلفا وامرا بھی مدینہ منورہ حاضر ہوتے اور علما وفقہا مدینہ کی طرف دینی وفقہی مسائل میں رجوع کرتے اور ان کے مشوروں پر عمل کرتے، حضرت عمر بن عبد العزیز نے اپنے دور امارت میں علما وفقہا کو جمع کر کے یہ خطبہ دیا:

انى دعوتكم لامر توجرون عليه وتكونون فيه اعوانا على الحق ماارید ان اقطع الا برايكم اوبراى من حضر منكم ۔

میں نے آپ لوگوں کو ایک اہم کام کے لیے بلایا ہے، جس میں آپ لوگوں کے لیے اجر وثواب ہوگا اور آپ لوگ حق کے حامی وناصر ہوں گے، میں چاہتا ہوں کہ آپ سب کی رائے یا آپ میں سے جو حاضر ہو اس کی رائے کے بغیر کسی بات کا قطعی فیصلہ نہ کروں۔

مدینہ منورہ اس دور کا ایسا علمی مرکز بنا جہاں کی درسگاہوں میں حدیث وتفسیر، فقہ وفتاوی، سیر ومغازی، شعروادب، ایام عرب کی تعلیم دی جاتی تھی اور خاص طور پر مسجد نبوی میں یہ علمی فقہی درسگاہیں قائم ہوتی تھیں، ان کے خاص مسند نشیں شیوخ واساتذہ درج ذیل حضرات تھے:

حضرت سعید بن مسیب، حضرت قاسم بن محمد بن ابی بکر، حضرت سالم بن عبداللہ بن عمر، حضرت ربیعہ رائی، حضرت اسلم عدوی، حضرت نافع مولی ابن عمر، حضرت علی بن حسین، سلیمان بن یسار، حضرت ابوالزناد بن ذکوان، حضرت محمد بن ابی ذئب، حضرت ابوجعفر باقر العلم، حضرت محمد بن یحیٰی انصاری، حضرت موسی بن عقبہ، حضرت ابراہیم بن عقبہ، حضرت محمد بن عقبہ، حضرت محمد بن عجلان، (رضی اللہ عنہم اجمعین) بطور خاص مشہور ہیں۔

حضرت نافع مولی ابن عمر کے وصال کے بعد ان کے حلقہ درس کے صدر نشیں امام دارالہجرت حضرت مالک بن انس ہوئے اور اسی علمی وفقہی درسگاہ کا فیضان تمام بلاد اسلامیہ کے شرق وغرب تک عام ہوگیا اور ان کی مساعی جمیلہ سے مسجد نبوی کا علمی مرکز شہرت وعروج کے بام بلند تک پہنچ گیا۔

امام مالک کا حلقہ درس و افتا

امام دارالہجرت نے جس ذوق وشوق اور محنت ولگن سے اساطین علمائے مدینہ کا علم اپنے سینے میں محفوظ کیا تھا اور وہ حدیث وفقہ میں جس امتیازی مرتبہ پر فائز تھے، اس کا تقاضا تھا، کہ درس و افتا کی مجلس قائم فرمائیں اور تشنگان علوم نبوت کو سیراب کریں۔ یہی وجہ ہے، کہ اپنے اساتذہ اور شیوخ کی موجودگی ہی میں علاحدہ حلقہ درس قائم کیا۔ جب کہ ان کے ستر شیوخ نے آپ کی تکمیل علم کو مدنظر رکھتے ہوئے تحدیث و افتا کی اجازت مرحمت فرمائی تھی۔ امام صاحب کا قول ہے:

وما جلست حتی شهد لی سبعون شيخا من اهل العلم انی موضع لذالك . (مالك ص ۴۱)

جب تک ستر اہل علم شیوخ نے گواہی نہ دی، کہ میں مسند درس کا اہل ہوں، میں نے حلقہ درس قائم نہیں کیا۔

اس وقت آپ کی عمر سترہ سال تھی اور آپ کے کئی اہم شیوخ زندہ تھے اور ان کی زندگی ہی میں امام صاحب فتویٰ دیا کرتے تھے۔ ایوب سختیانی کہتے ہیں، کہ میں حضرت نافع کی زندگی میں مدینہ گیا اس وقت امام مالک کا حلقہ درس و افتا قائم تھا، ابن منذر کا بیان ہے، کہ نافع اور زید بن اسلم کی زندگی ہی میں امام صاحب فتویٰ دینے لگے تھے۔

امام صاحب کی مجلس درس و افتا دو جگہ منعقد ہوتی تھی، ایک ان کے آبائی مکان وادی عقیق میں اور دوسری مسجد نبوی شریف میں۔ حضرت نافع کی رحلت کے بعد آپ مسجد نبوی میں ان کی نشست گاہ پر بیٹھ کر درس دیا کرتے تھے، جب آپ حدیث وفقہ کے

درس کے لیے تشریف لاتے تو پہلے وضو یا غسل کر کے عمدہ اور قیمتی پوشاک زیب تن فرماتے، بالوں میں کنگھی کرتے، خوشبو لگا کر باہر تشریف لاتے۔ مجلس حدیث جب تک قائم رہتی عود واگر کی خوشبو سے فضا معطر رہتی۔

ابن ابی اوس کہتے ہیں:

کان مالك اذااراد ان يحدث توضأ وجلس على صدر فراشه وسرح لحيته وتمكن في جلوسه بوقار وهيبة ثم حدث فقيل له في ذالك فقال احب ان اعظم حديث رسول الله صلى الله عليه وسلم ولا احدث به الا متمكنا على طهارة وكان يكره ان يحدث على الطريق اوقائما او مستعجلا ويقول احب ان ان يفهم مااحدث به عن رسول الله صلى الله عليه وسلم وكان لايركب في المدينة مع ضعفه وكبر سنه ويقول لا اركب في مدينة فيها جثة رسول الله صلى الله عليه وسلم مدفونة ۔(صفة الصفوه ج۲ ص ۲۴۴)

امام مالک جب حدیث بیان کرنا چاہتے، تو وضو کرتے، صدر مجلس میں بیٹھتے، ڈاڑھی میں کنگھی کرتے، بڑے وقار و عظمت کے ساتھ رونق مجلس ہوتے، پھر حدیث بیان کرتے۔ اس سلسلے میں ان سے پوچھا گیا، تو انہوں نے فرمایا، مجھے یہ بات بڑی محبوب ہے، کہ حدیث رسول کی تعظیم کروں اور بغیر طہارت حدیث نہ بیان کروں۔ آپ راستہ چلتے ہوئے، کھڑے ہو کر یا جلد بازی میں حدیث بیان کرنے کو ناپسند کرتے تھے اور فرماتے تھے، کہ مجھے یہ بات پسند ہے، کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث بیان کروں، تو لوگ اسے خوب اچھی طرح سمجھیں۔ وہ مدینہ منورہ میں بڑھاپے اور کمزوری کے باوجود سواری پر

نہیں بیٹھتے تھے اور فرماتے تھے، کہ میں اس شہر میں جہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جسم مبارک مدفون ہو سواری پر نہیں بیٹھ سکتا۔

کاشانہ امامت پر آپ کی مجلس بڑی پر تکلف ہوا کرتی، فرش پر بیش قیمت عمدہ قالینیں بچھائی جاتیں، وسط مجلس میں شہہ نشیں ہوتی۔ دائیں بائیں تکیے رکھے جاتے، جس پر آپ درس حدیث کے وقت جلوہ افروز ہوتے، جگہ جگہ پنکھے رکھے جاتے، حاضرین درس متانت اور سنجیدگی کا پیکر بنے ہوئے ادب واحترام کے ساتھ بیٹھتے کسی قسم کا شور یا ہنگامہ نہ ہوتا، امام صاحب کی ہر ادا پر شکوہ اور باوقار ہوتی، مجلس درس پر دربار شاہی کا گمان ہوتا، تلامذہ کی شائستگی اور ادب کا یہ حال تھا، کہ وہ کتاب کے اوراق بھی حد ادب کی وجہ سے نہ پلٹتے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، کہ ہم لوگ کتاب کے ورق بھی اس ڈر سے نہیں الٹتے تھے، کہ کہیں کھڑکھڑاہٹ کی آواز نہ ہو۔

مطرف کا بیان ہے:

کان مالک اذااتاہ الناس خرجت الیھم الجاریۃ فتقول لھم یقول لکم الشیخ اتریدون الحدیث ام المسائل فان قالوا المسائل خرج الیھم فافتاھم وان قالوا الحدیث قال لھم اجلسوا ودخل مغتسلہ فاغتسل وتطیب ولبس ثیابا جیّدا ولبس ساجۃ وتعمم وتلقی لہ المنصۃ فیخرج الیھم قد لبس وتطیب وعلیہ الخشوع ویوضع عود فلا یزال ینجر حتی یفرغ من حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ۔(الدیباج المذھب ص ۲۳)

امام مالک کے دردولت پر جب لوگوں کا ہجوم ہوتا تو ان کی کنیز لوگوں کے پاس آتی اور ان سے پوچھتی، شیخ تم سے پوچھ رہے ہیں، کہ تم حدیث پڑھنا چاہتے ہو یا مسائل پوچھنے کا ارادہ ہے؟ اگر لوگ جواب

دیتے، کہ ہم مسائل پوچھنے آئے ہیں، تو امام مالک اندرون خانہ سے باہر تشریف لاتے اوران کے سوالوں کا جواب دیتے، اگر لوگ کہتے کہ ہم حدیث سننے آئے ہیں تو ان سے کہتے تم لوگ بیٹھ جاؤ اور خود غسل خانہ میں جا کر غسل کرتے، خوشبو لگاتے اور عمدہ کپڑے زیب تن فرماتے اور ساج پہنتے (ساج بادشاہوں کے لباس کی طرح سر کا ایک لباس ہے) اور دستار باندھتے اوران کی مسند درس آراستہ کی جاتی تو وہ لوگوں کے پاس اس حال میں تشریف لاتے کہ عمدہ لباس میں ملبوس خوشبو لگائے ہوئے ان پر خشوع کی کیفیت طاری رہتی اور عود سلگائی جاتی اور وہ مسلسل خوشبو دیتی یہاں تک کہ وہ حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے درس سے فارغ ہو جاتے۔

کاشانہ امامت پر مجلس درس قائم ہوتی، تو درس کے لیے اولا اپنے اصحاب کو خاص کرتے، پھر عام لوگوں کو مجلس میں آنے کی اجازت دی جاتی اور آپ ان سے حدیثیں بیان فرماتے، اس امید پر کہ یہ لوگ ان طالبان علوم نبوت کو یہ حدیثیں پہنچادیں، جن کی حفاظت کی وہ طاقت رکھتے ہیں، پھر آپ کے شاگرد بیٹھے رہتے اور فقہی مسائل معلوم کرتے اور انہیں محفوظ کرتے اور حدیثیں یاد کرتے، اس طرح عوام تو علم کا کچھ حصہ پاتے کیوں کہ امام صاحب ان لوگوں سے وہی حدیثیں بیان فرماتے، جو ان کے دین کے لیے مفید ہوتیں۔

کاشانہ اقدس پر مجلس درس اور شرکاے درس کی باریابی کی کیفیت حسن بن ربیع ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں:

کنت علی باب مالک فنادی منادیه الالیدخل اهل الحجاز فما دخل الا هم ثم نادی فی اهل الشام ثم فی اهل العراق فکنت آخر من دخل وفینا حماد بن ابی

حنيفة .(مالك ص ۵۵)

میں امام مالک کے دروازے پر تھا، تو ان کے منادی نے اعلان کیا کہ اہل حجاز سب سے پہلے مجلس درس میں داخل ہوں تو صرف اہل حجاز ہی داخل ہوئے پھر ندادی اہل شام داخل ہو جائیں، پھر اہل عراق تو میں سب سے آخر میں داخل ہوا ہماری جماعت میں حماد بن ابی حنیفہ بھی تھے۔

آپ کے حلقہ درس میں قریش اور انصار کے علاوہ بیرونی طلبہ کا ازدحام رہتا تھا، جس میں علما، فقہا، امرا اور صاحب ثروت لوگ سماع حدیث کے لیے جمع ہوتے۔ یہ لوگ صرف مدینہ منورہ یا اس کے اطراف ہی کے نہ ہوتے، بلکہ اسلامی دنیا کے دور دراز علاقوں سے امام دارالہجرت کی بارگاہ میں حاضری، سعادت اور تلمذ کو مایۂ افتخار سمجھ کر آتے اس طرح امام مالک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث پاک کے مصداق کامل بن گئے تھے:

يوشك ان يضرب الناس اكباد الابل يطلبون العلم فلا يجدون احدا اعلم من عالم المدينة .(جامع الاصول ج۹ ص۲۴۱)

عنقریب لوگ دور دراز ممالک سے سفر کر کے آئیں گے، لیکن انہیں مدینہ کے عالم سے بڑا کوئی عالم نہیں ملے گا۔

ابن عیینہ نے ابو ہریرہ کی اس حدیث کے بارے میں کہا، کہ وہ عالم مدینہ امام مالک ہی ہیں۔ (تہذیب التہذیب ج۱۰ ص۷)

امام عبدالرزاق بھی اس بات کی تائید کرتے ہیں۔

مجلس میں خاص و عام کی کوئی تمیز نہیں تھی اور نہ درس حدیث میں کسی کے ساتھ امتیازی سلوک رکھا جاتا، چاہے وہ اپنے وقت کی کتنی ہی عظیم اور پر وقار شخصیت کیوں نہ ہو، خلیفہ ہارون رشید عباسی مدینہ منورہ آیا تو وہ موطا کے سماع کا خواہش مند ہوا، امام

صاحب نے فرمایا، کہ کل کا دن اس کام کے لیے ہے۔ ہارون رشید منتظر رہا، کہ امام صاحب خود اس کی قیام گاہ پر تشریف لائیں گے، مگر امام صاحب اپنی مجلس درس میں ہی تشریف فرما رہے۔ ہارون رشید نے وجہ پوچھی، تو ارشاد فرمایا ''العلم یزار لایزور'' علم کے پاس لوگ آتے ہیں لوگوں کے پاس علم نہیں جاتا۔ چنانچہ ہارون رشید کو اپنے تمام ترطمطراق حکومت کے باوصف کاشانہ امامت پر ادنیٰ تلمیذ کی طرح حاضر ہونا پڑا، خلیفہ ہارون کی نخوت اقتدار نے پھر جوش مارا اور اس نے کہا، عام لوگوں کو مجلس سے باہر کر دیا جائے تو امام صاحب نے فرمایا، شخصی منفعت کے لیے عام افادہ کا خون نہیں کیا جا سکتا۔

خلیفہ مہدی اور ہارون رشید دونوں نے خیمہ خلافت میں املاے حدیث کی خواہش ظاہر کی تو امام صاحب نے انکار کر دیا۔

امام صاحب درس حدیث یا املاے حدیث حلقہ درس کے علاوہ کسی اور مقام پر احترام حدیث کے خلاف سمجھتے تھے۔

طریقہ درس

امام مالک رضی اللہ عنہ کا طریقہ درس یہ تھا، کہ امام صاحب کے کاتب حدیث ابن حبیب جو خود ایک بڑے محدث تھے، مؤطا لے کر اس کی حدیثیں پڑھتے اور تمام شرکاے درس خاموشی سے سنتے تھے، اگر ابن حبیب کوئی غلطی کرتے تو امام صاحب تصحیح کر دیتے تھے، اکثر ایسا ہی ہوتا، مگر کبھی کبھی امام صاحب خود بھی مؤطا طلبہ کے سامنے پڑھتے، یحییٰ بن بکیر کہتے، کہ میں نے چودہ مرتبہ امام صاحب سے ان کی کتاب مؤطا سنی ہے۔

امام مالک کا حلقہ درس مدینہ منورہ میں سب سے عظیم تھا، مدینہ اطراف مدینہ اور دور دراز بلاد و امصار کے طلبہ شریک درس ہوا کرتے تھے۔ ابو زہرہ لکھتے ہیں:

كان الناس يحضرون اليه من كل فج عميق ۔(مالك ص ۵۶).

لوگ ان کے پاس دنیا کے اطراف واکناف سے آتے تھے۔

امام مالک نے اپنے حلقہ درس میں سکون و وقار کا ہمیشہ التزام فرمایا اور لغو باتوں سے ہمیشہ احتراز کرتے اور ان امور کو وہ طلبہ کے لیے ضروری سمجھتے، انہوں نے اپنے بعض بھتیجوں کو نصیحت فرماتے ہوئے کہا:

تعلم لذالك العلم الذی علمته بالسکینة والحلم والوقار.

جو علم میں نے تمہیں سکھایا، اسے اطمینان و سکون اور حلم و وقار کے ساتھ حاصل کرو۔

اکثر فرمایا کرتے تھے:

حق علی من طلب العلم ان یکون فیه وقار وسکینة وخشية ان یکون متبعا لآثار من مضیٰ وینبغی لاهل العلم ان یخلو انفسهم من المزاح وبخاصة اذا ذكروا العلم.

(مالک ص ۵۲)

طالب علم کے لیے ضروری ہے، کہ اس کے اندر سکون و وقار اور خوف خدا ہو اور وہ گزشتہ آثار کی اتباع کرنے والا ہو اور علما کے لیے لازم ہے کہ وہ اپنی ذات مزاح سے دور رکھیں، بالخصوص جب وہ حدیث بیان کریں۔

امام صاحب متانت و وقار کے اس اصول پر بڑی سختی کے ساتھ عمل پیرا رہے، انہوں نے پچاس سال تک اسی نہج پر حدیث نبوی کا درس دیا، اس طویل مدت میں صرف ایک بار یا دو بار ہنسے، ان کی باتوں میں طنز و مزاح اور لغویات، پہیلیاں وغیرہ نہ ہوتیں، یہ باتیں اس لیے نہیں تھیں، کہ ان کی ذات میں معاذ اللہ کبر و غرور یا نخوت علم ہو، بلکہ یہ ساری چیزیں احترام علم اور خوف خدا کی وجہ سے تھیں، ان کے بعض شاگردوں کا بیان ہے:

كان مالك اذا جلس معنا كانه واحد منا يتبسم معنا فى الحديث وهو اشد تواضعا منا له فاذا اخذ فى الحديث تهيبنا كلامه كانه ماعرفنا ولاعرفناه ۔ (ایضا)

جب امام مالک عام حالات میں ہمارے ساتھ بیٹھتے تو وہ ہماری مجلس کے ایک فرد کی حیثیت سے ہوتے اور ہمارے ساتھ مل جل کر گفتگو کرتے، وہ ہمارے ساتھ حد درجہ تواضع سے پیش آتے اور جب وہ حدیث رسول کا درس دیتے تو ان کا کلام اس طرح ہم پر ہیبت طاری کردیتا، گویا وہ ہم کو نہیں پہچان رہے ہیں اور ہم ان کو نہیں پہچان رہے ہیں۔

ایک شاعر نے ان احوال کا نقشہ اس طرح پیش کیا ہے۔

يدع الجواب فمايراجع هيبة　　　والسائلون نواكس الاذقان
ادب الوقار وعز سلطان التقى　　　فهو المهاب وليس ذا سلطان

اگر امام جواب دیتے تو ہیبت سے پھر پوچھا نہیں جا سکتا، پوچھنے والے سر نیچے کیے رہتے ہیں۔ وقار کا ادب اور سلطان تقویٰ کا جاہ وجلال ہے، لوگ اس سے ڈرتے ہیں حالاں کہ وہ صاحب حکومت نہیں ہے۔

امام صاحب خود حاکم تھے اور نہ اصحاب اقتدار سے کبھی وابستہ رہے مگر علم وفضل کے اس تاجدار کو ایسی عزت وسربلندی نصیب ہوئی کہ طالبان علم کی صفوں میں جہاں علم نبوت کے جرعہ خوار ہوتے وہیں بڑے بڑے اہل ثروت شرفا امرا اور وزرا کاشانہ امامت پر حاضری میں فخر محسوس کرتے۔

معمول یہ تھا، کہ نماز فجر کے بعد طلوع آفتاب تک اورادو وظائف میں مشغول رہتے، طلوع شمس کے بعد لوگوں کی آمد شروع ہوتی، امام صاحب آنے والوں سے خیریت دریافت کرتے، مجلس کی ترتیب یوں تھی، کہ قریب تر جید اور مستعد صاحب فہم طلبہ کو جگہ

دیتے پھر علی قدر المراتب ابتدائے درس سے پہلے فرماتے کہ متعدد صاحب فہم لوگ قریب بیٹھیں ''املا'' آہستہ اور سکون کے ساتھ کراتے ایک حدیث ختم ہو جاتی تو دوسری حدیث شروع کرتے۔

بیان حدیث کے وقت وقار و متانت کا یہ عالم ہوتا کہ کوئی چیز بیان حدیث کے تسلسل میں حارج اور مانع نہ ہوتی اس دوران بڑی سے بڑی اذیت گوارہ کر لیتے۔ حضرت عبداللہ بن مبارک فرماتے ہیں:

ایک روز میں امام صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا تو وہ روایت حدیث فرما رہے تھے، ایک بچھو نے نیش زنی شروع کی، تو شاید دس مرتبہ ڈسا اور غیر معمولی تکلیف کی وجہ سے بار بار امام صاحب کا چہرہ کچھ متغیر ہو کر مائل بہ زردی ہو جاتا تھا، مگر امام صاحب نے نہ حدیث کو قطع فرمایا اور نہ ہی آپ کے کلام میں لغزش ظاہر ہوئی، جب مجلس حدیث ختم ہوئی حاضرین چلے گئے تو میں نے آپ سے عرض کیا، آج آپ کے چہرے پر کچھ تغیر کے آثار نظر آ رہے تھے، امام صاحب نے فرمایا بے شک تمہارا خیال صحیح ہے اور تمام واقعہ بیان کر کے فرمایا میرا اس قدر صبر کرنا طاقت و شکیبائی کی بنا پر نہ تھا، بلکہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم کی وجہ سے تھا۔

(بستان المحدثین ص ۱۶)

امام صاحب نے درس حدیث کا جو ضابطہ قائم کیا تھا، اس میں کبھی فرق نہ آنے دیا بڑے بڑے لوگوں سے حدیث بیان کرنے کے لیے ان کے کاشانوں پر حاضری نہیں دی اور جو شخص حلقہ درس میں حاضر ہوا اس کے ساتھ امتیازی سلوک جائز نہ رکھا، خواہ وہ اپنے وقت کی کتنی ہی بلند مرتبت شخصیت کیوں نہ ہو۔

خلیفہ مہدی عباسی

خلیفہ مہدی عباسی موسم حج میں مدینہ آیا امام صاحب اس کی فرودگاہ پر ملاقات کے لیے تشریف لے گئے، خلیفہ نے بڑی تعظیم و تکریم کی اور اپنے صاحبزادوں موسیٰ اور

ہارون کو امام صاحب سے حدیث پڑھنے کا حکم دیا، خلیفہ کا خیال یہ تھا، کہ امام صاحب بذات خود شہزادوں کو درس حدیث دینے ان کی قیام گاہ پر آئیں گے، مگر خلاف توقع جب امام صاحب پڑھانے نہیں گئے، تو خلیفہ نے وجہ دریافت کی، تو آپ نے فرمایا، علم قابل احترام چیز ہے اس کے پاس آنا چاہیے، خلیفہ نے اس بات کو تسلیم کیا اور صاحبزادوں کو آپ کی خدمت میں بھیجا اور یہ حکم دیا کہ آپ خود ان کو حدیث پڑھ کر سنائیں آپ نے فرمایا، اس شہر میں طلبہ استاذ کے سامنے پڑھتے ہیں، صاحبزادوں نے خلیفہ کے پاس جا کر اس بات کی خبر دی، خلیفہ نے امام صاحب کے پاس آدمی بھیج کر کہلوایا کہ آپ نے موسیٰ اور ہارون کو بلانے کے بعد ان کو پڑھانے سے انکار کر دیا؟ امام صاحب نے جواب دیا، کہ امیر المومنین میں نے ابن شہاب سے سنا ہے، کہ ہم نے سعید بن میتب، ابو سلمہ، عروہ بن زبیر، سالم، خارجہ، سلیمان اور نافع سے اسی طرح اس مقام میں علم حاصل کیا ہے، نیز ابن ہرمز، ابو الزناد، ربیعہ، بحر العلم ابن شہاب وغیرہ کے سامنے حدیث پڑھی جاتی تھی، وہ حضرات خود نہیں پڑھتے تھے، اس کے بعد مہدی نے اپنے صاحبزادوں سے کہا، تم لوگ خود جا کر پڑھو یہ ائمہ دین قدوہ اور اسوہ ہیں، چنانچہ صاحبزادوں کے مودب و معلم نے امام صاحب کے سامنے حدیث پڑھی اور صاحبزادوں نے سماع کیا۔

ایک عالم کے لیے تین حدیثوں کی روایت

امام مالک کا عام طریقہ درس یہ تھا، کہ آپ کا کاتب مجلس درس میں مؤطا پڑھ کر سناتا یا تلمیذ مؤطا کی حدیثیں پڑھتا، امام صاحب اپنی زبان سے حدیث بیان نہیں کرتے، چنانچہ خلیفہ بغداد کے دونوں صاحبزادوں کو ان کے اتالیق نے مجلس درس میں امام صاحب کے روبرو مؤطا پڑھ کر سنائی۔ دنیائے اسلام کی سب سے بڑی با اقتدار شخصیت کے صاحبزادوں کے لیے بھی امام صاحب نے اپنے ضابطہ درس میں لچک نہ آنے دی اور یہ طرز عمل اس بنا پر تھا، کہ دنیاوی عظمت وجلال کے سامنے عظمت علم کا جھنڈا سرنگوں نہ ہو اور علم نبوت کی قلمرو کا تاجدار سلطان وقت کے سامنے وقار علم مجروح نہ ہونے دے، مگر

ایک بار جب ایک صوفی عالم نے آکر امام صاحب سے کہا، کہ آپ تین حدیثیں مجھ سے بیان کر دیں، امام صاحب نے کہا، تم کو ضرورت ہو تو مجھ کو پڑھ کر سنا دو پھر مجھ سے اس کی روایت کرو، اس عالم نے کہا، کہ ابو عبداللہ ہمارے یہاں عرض (القرأۃ علی المحدث) کا رواج نہیں ہے، امام صاحب نے کہا تم اس کے بارے میں زیادہ علم رکھتے ہو، وہ عالم بار بار یہی کہتے تھے اور امام صاحب یہی جواب دیتے تھے، جب امام مالک مجلس سے اٹھنے لگے تو انہوں نے امام صاحب کا دامن پکڑ لیا اور کہا، کہ اس قبر والے کے رب کی قسم جب تک آپ تینوں حدیثیں مجھ سے نہ بیان کریں گے میں دامن نہیں چھوڑوں گا۔ امام صاحب نے اپنے شاگرد ابوطلحہ سے کہا، تم مجھ کو اس آدمی سے بچاؤ! یہ شخص دیوانہ معلوم ہوتا ہے، ابوطلحہ نے کہا، ہ دیوانہ نہیں ہے، آپ مناسب سمجھیں تو تینوں حدیثیں بیان کر دیں، اس کے بعد امام صاحب نے اس عالم سے کہا، کہ اچھا آؤ کیا چاہتے ہو بیان کرو اس نے کہا پہلی حدیث یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فتح مکہ کے دن مکہ میں داخل ہوئے تو کیا آپ کے سر پر مغفر (خود) تھا؟ امام صاحب نے کہا:

حدثنی الزهری عن انس ان النبی صلی الله علیه وسلم دخل مکة یوم الفتح وعلی راسه المغفرة قال فقال ابن شهاب ولم یکن رسول الله صلی الله علیه وسلم یومئذ محرما .

اس صوفی عالم نے کہا، دوسری حدیث یہ ہے کہ ابن عباس سے ایک شخص کے بارے میں سوال کیا گیا، جس کی دو بیویاں تھیں، ان میں ایک عورت نے ایک لڑکے کو دودھ پلایا اور دوسرے نے ایک لڑکی کو امام صاحب نے کہا:

حدثنی ابن شهاب عن عمرو بن الشرید ان ابن عباس سئل عن رجل له امرأتان ارضعت احداهما غلاما والاخری

جارية ایتنا کجان قال لا الفطام واحد ۔

اس صوفی عالم نے کہا تیسری حدیث یہ ہے کہ کیا ابن عمر نے اقامت سنی اور بقیع میں تھے؟ امام صاحب نے کہا:

حدثنی عن ابن عمر سمع الاقامة وهو بالبقیع فاسرع المشی ۔

(الحدث الفاصل ص ۲۵، ۲۴، ۲۲۴)

حلقۂ درس کی عظمت وشان

حضرت امام مالک کے حلقہ درس میں عرب وعجم، مصر وشام اور اندلس کے طلبہ شریک ہوا کرتے تھے، آپ کی علمی شان اور پر وقار شخصیت کا یہ عالم تھا، کہ لوگ ان کے درس میں حاضری کے لیے بڑے بڑے مصائب وآلام جھیل کر آتے اور ان کا مقصد صرف تحصیل علم ہوتا ان کی توجہ اور انہماک علم میں بڑی سے بڑی چیز حائل نہ ہوتی۔

ایک امام مالک کی جامع کمالات علمی وعبقری شخصیت کی درسگاہ سے کتنے کثیر علما، طلاب، امرا اور ملوک نے کسب فیض کیا بجائے خود یہ ایک حیرت انگیز کارنامہ اور تنہا ایک ذات نے جو وسیع تعلیم حلقہ قائم کیا ہے بہت سے علما مجتمع ہو کر بھی انجام نہیں دے سکتے، امام مالک کے حلقہ درس اور ان کی درسگاہ میں طالبان علوم نبویہ فقہ اسلامی کی تحصیل کرنے والوں کا نقشہ محمد ابو زہرہ مصری نے اس طرح کھینچا ہے:

هذه صفة درس مالك وهذه حالة عند درس ولقد بارك الله له فی العمر وزاده بسطة من العقل وانا ر بصیرته فکانت تنفذ فی کل شیء وکلما تقدم به العمر ازداد فهما وادراکا وجلالا واقبالا وتسامعت بذکره البلاد الاسلامیة من اقصی المشرق الی اقصی المغرب قصده العلما والطلاب بسماع الحدیث للاستفتاء فی المسائل التی کانت تقع فیعرفهم حکمها ویبین اصله من الشرع

الاسلامی وازدحمت علی بابه الوفود وخصوصا فی موسم الحج ولهذا الازدحام کان له حاجب کالملوك. (مالك ص ۵۴)

امام مالک کے درس کی یہ کیفیت تھی اور اثنائے درس ان کی شان ہوتی جوں جوں عمر میں اضافہ ہوتا گیا ان کی عقل میں وسعت پیدا ہوتی گئی اور ان کا نور بصیرت روشن تر ہوتا گیا اور اس کا اثر آپ کی زندگی کے تمام گوشوں میں نظر آتا اور جب عمر کافی پختہ ہوگئی تو فہم وادراک، جلال واقبال بام عروج کو پہنچ گیا اور آپ کے علم وفضل کی شہرت شرق وغرب کے اقصائے بعید (خراسان واندلس) میں لوگوں نے سنی تو ان علاقوں کے علما اور طلبہ آپ سے سماع حدیث اور پیش آنے والے پیچیدہ مسائل کے جوابات کے لیے حاضر ہوتے، آپ لوگوں کو حکم شرع بتاتے اور قرآن وسنت سے دلائل فراہم کرتے، آپ کے دروازے پر وفود کا ازدحام ہوتا بالخصوص موسم حج میں لوگوں کی آمد بڑھ جاتی، اس بڑے ہجوم کے لیے شاہی دربار کی طرح حاجب ہوا کرتے پولس کی طرح آپ کے شاگردوں اور مریدوں کا محافظ دستہ ہوتا، اس طمطراق اور رعب وجلال کی وجہ سے کاشانہ امامت پر دربار شاہی کا گمان ہوتا۔

مدینہ منورہ خود مرکز اسلام اور تعلیمات اسلامی کی عظیم درسگاہ تھی، امام مالک کا خاندان ابتدا ہی سے علم وفضل کے لیے مشہور تھا، ان امور کے علاوہ امام ہمام کی ذاتی قابلیت اور علمی عبقریت نے امام کی صدائے علم وفضل کو پورے عالم اسلامی میں پھیلا دیا اور آپ کی درسگاہ بلا اختلاف جغرافیائی سرحدوں سے اوپر اٹھ کر بوقلموں زار بن گئی۔

تلامذہ

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ تقریبا ۶۲ رسال تک طالبان علم کو حدیث وفقہ کا درس دیتے رہے اور آپ کی مجلس درس میں شریک ہونے والے صرف مدینہ واطراف مدینہ حجاز اور عرب سے تعلق رکھنے والے نہ تھے، بلکہ اس وقت کی اسلامی دنیا کے گوشے گوشے سے آنے والے شائقین علم آپ کی مجلس درس سے فیض یاب ہو رہے تھے۔

بلاد عرب :۔ مدینہ، مکہ، صنعاء، ایلہ، سیراف، عدن، طائف، یمامہ، ہجر، حضر موت، زبید، فدک، بلقا۔

بلاد شام :۔ دمشق، عسفان، خلاط، مصیصہ، بیروت، حمص، طرسوس، رملہ، نصیبین، حلب، بیت المقدس، اردن، صور انطاکیہ۔

بلاد عراق:۔ بغداد، بصرہ، کوفہ، حران، موصل، جزیرہ، واسق، انبار، رقہ، رے۔

بلاد عجم :۔ جرجان، کرمان، ہمدان، طالقان، نیشاپور، طبرستان، مرو، سرخس، پوس، مدائن، قزوین، قوہستان، صنعان، آمد، کردستان، اینور، سیستان،

بلاد ترکستان:۔ ترکستان، ہراۃ، بخارا، سمرقند، خوارزم، ترمذ، بلخ، نسا۔

بلاد مصر:۔ مصر، اسکندریہ، فیوم، اسوان، تنیس۔

بلاد افریقہ:۔ افریقہ، تونس، قیروان، برقہ، طرابلس، مغربی مراکش۔

بلاد اندلس:۔ طلیطلہ، بسطہ، باجا، قرطبہ، سرقطہ، صیقلہ، سسلی، سمرنا۔

امام مالک کی علمی جلالت کا شہرہ مشرق ومغرب، جنوب وشمال ہر طرف پھیلا اور متذکرہ بالا بلاد وامصار سے جوق در جوق طالبان علم نبوت درس مالک میں شرکت کے

لیے مدینہ طیبہ حاضر ہوئے اور آپ کے خرمن علم سے خوشہ چینی کی۔اس طرح امام مالک کے حلقہ درس کی بے نظیر وسعت کے ساتھ آپ کے فیض یافتہ تلامذہ کی تعداد حدوشمار کے دائرے سے باہر ہے۔حافظ شمس الدین ذہبی کہتے ہیں:

حدث عنه امم لايكادون يحصون .(تذكرة الحفاظ ج ا ترجمه امام مالك)

امام مالک سے اتنے لوگوں نے روایت کی ہے کہ جن کا شمار تقریباً ناممکن ہے۔

امام صاحب سے کسب علم کرنے والوں میں ایسے علما بھی ہوا کرتے جو دوسری درسگاہوں سے باقاعدہ سند یافتہ تھے، بلکہ خود امام مالک کے شیوخ نے بھی ان سے حدیثیں لیں، اس طرح آپ کے بعض شیوخ بھی تلامذہ کی صف میں نظر آتے ہیں، امام صاحب خود فرماتے ہیں ''بہت کم ایسے لوگ ہیں جن سے میں نے سیکھا ہے اور آخر ان کو خود مجھ سے پوچھنے کی حاجت نہ پڑی''۔امام صاحب کو اپنے تلامذہ اور مستفیدین کی حیثیت سے بھی متعدد خصوصیات حاصل ہیں، جس کثرت تعداد، جس رتبہ وکمال، جس اختلاف طبقات کے لوگ امام کے حلقہ فیض میں داخل ہیں، تمام محدثین وفقہا میں کسی کو حاصل نہیں۔کثرت تعداد کے ساتھ ساتھ آپ کے بہت سے تلامذہ حدیث وفقہ کے بلند مرتبہ پر فائز تھے اور انہیں اجتہاد کا مرتبہ حاصل تھا اور آپ کے تلامذہ اسلامی بلاد کے ہر خطہ اور اسلامی سوسائٹی کے ہر طبقہ سے تعلق رکھتے تھے۔ذیل میں شاگردوں کی تفصیل طبقات کے لحاظ سے تحریر کی جاتی ہے۔

خلفائے اسلام:۔ابو جعفر منصور عباسی، مہدی، موسیٰ ہادی، ہارون رشید، محمد امین، عبداللہ مامون۔

امرائے بلاد:۔حسن بن مہلب شیبانی امیر خراسان، عبداللہ بن سعید بن عبدالملک بن مروان اموی، ہاشم بن عبداللہ التجیبی امیر برقہ (افریقہ)

تابعین شیوخ امام:۔ ابن شہاب زہری، یحییٰ بن سعید انصاری، محمد بن

عبدالرحمٰن ابوالاسود، شعبہ، نافع انصاری، جعفر صادق، ہشام بن عروہ، ربیعہ رائی، ابوسہیل نافع، سفیان ثوری، حماد، ایوب سختیانی، محمد بن مطرف ابوغسان، عبداللہ بن دینار، یزید بن عبداللہ۔

ائمہ محدثین کبار:۔ محمد بن عجلان، حیوۃ بن شریح، سلام تیمی، یحییٰ بن سعید قطان، یحییٰ بن بکیر، یحییٰ مصمودی، زید بن اسلم، وہیب بن خالد، ابن ابی ذئب، وکیع بن الجراح، ولید بن مسلم دمشقی، خالد امام خراسان، مسلم بن خالد زنجی، سلیمان اعمش، زبیر بن بکار، ابراہیم امام مصیصہ، عبداللہ بن مسلمہ قعنبی، عبدالرحمٰن بن مہدی، عبدالعزیز بن محمد دراوردی، ابونعیم فضل بن دکین، عبدالملک بن جریج، عبدالرزاق بن ہمام، لیث بن سعد، شیخ الاسلام محمد بن مبارک، ہیثم بن جمیل محدث انطاکیہ، قتبہ بن سعید محدث خراسان، حافظ حدیث ابومحمد زہرانی، سلیمان بن داؤد طیالسی، مان بن عیسیٰ، ابومصعب زبیری، ابوحذافہ سہمی وغیرہم۔

ائمہ مجتہدین:۔ امام اعظم ابوحنیفہ، امام شافعی، امام محمد، امام ابویوسف، امام ابن قاسم مالکی۔

فقہا:۔ حسن زیاد لولوی صاحب ابی حنیفہ، عبداللہ بن وہب مفتی مصر، ابوعمر اشہب فقیہ مصر، اسد بن فرات فقیہ عراق۔

قضاۃ:۔ ابراہیم بن اسحاق قاضی مصر، ایوب بن سوید قاضی سرد، اسد بن عمر قاضی، احرم بن حوشب قاضی ہمدان، داؤد بن منصور قاضی مصیصہ، شریک بن عبداللہ قاضی، شجرہ بن عیسیٰ قاضی قروان (افریقہ) عبداللہ بن عمر غانم قاضی افریقہ، یحییٰ افریقہ، یحیی بن بکیر قاضی کرمان، ابن اشرس العمری قاضی طرطوس، محمد بن عبداللہ کنانی قاضی افریقہ، اسد بن فرات قاضی سسلی، زیاد بن بسیط قاضی طلیطلہ (اسپین) محمد بن سعید قاضی باجہ (اسپین)

زہاد و صوفیائے کرام:۔ ابراہیم بن ادہم، ابونصر بشر بن حارث زاہد، ثابت بن محمد

زاہد، حسن بن حسین، عطیہ صوفی، ذوالنون مصری، کارح بن رحم زاہد، محمد بن فضیل بن عیاض زاہد۔

ادباو شعرا:۔ ابوالعتاہیہ شاعر، دعبل شاعر، محمد بن عبدالملک قعنبی شاعر، عبدالملک اصمعی لغوی، عمر بن سہیل مازنی بصری نحوی۔

مورخین:۔ احمد بن محمد بن ولید ازرقی صاحب تاریخ مکہ، موسی بن عقبہ صاحب سیرت نبوی، محمد بن عمر واقدی صاحب تصانیف کثیرہ، علی بن محمد مدائنی صاحب انساب وتصانیف کثیرہ۔

مفسرین:۔ مقاتل بن سلیمان صاحب تفسیر

فلسفی:۔ احمد بن محمد صاحب بیت الحکمت بغداد

اس عہد کے بعد آنے والے تمام جلیل القدر محدثین ایک واسطہ یا دوواسطہ سے امام مالک کی شاگردی کا شرف رکھتے ہیں، امام احمد بن حنبل، امام بخاری، امام مسلم، امام ترمذی، امام نسائی، امام ابوداؤد یہ تمام مصنفین مسند وصحاح صرف ایک واسطہ سے حلقہ بگوشوں میں شامل ہیں اور اس پر ان کو ناز وفخر بھی ہے، یہ ناز وفخر آٹھویں صدی تک باقی ہے، جب کہ محدث کبیر شمس الدین ذہبی تفاخراً لکھتے ہیں: سات واسطوں سے امام کا شاگرد ہوں، امام نووی کو بھی ساتویں صدی میں امام صاحب سے قرب نسبت پر ناز ہے، مقدمہ شرح مسلم میں اپنے اسناد کے حال میں لکھتے ہیں:

قد وقع لنا اعلی من هذه الكتب وان كانت عالية مؤطا الامام مالك بن انس هو شيخ الشيوخ المذكورين كلهم .

ایک کتاب کی سند مجھ کو کتب بخاری، مسلم، ابوداؤد، ترمذی، نسائی سب سے بہتر ملی، وہ امام مالک کی مؤطا ہے جو ان تمام محدثین کے شیخ تھے۔

خلفا و امرا سے تعلقات اور ان کو ہدایات

حضرت امام مالک کی ولادت ۹۳ھ اور وفات ۱۷۹ھ میں ہوئی۔ آپ نے خلفاے بنی امیہ میں ولید بن عبدالملک، سلیمان بن عبدالملک، عمر بن عبدالعزیز، ولید بن ولید، ابراہیم بن ولید، مروان بن محمد بن مروان کا زمانہ پایا۔ اموی خلافت کا دور شباب تھا، لیکن ہشام کی موت ۱۲۵ھ کے بعد ۸ر سال کے اندر ہی اموی خلافت پر زوال آیا اور ۱۳۲ھ میں خلافت عباسیہ کے نام سے تاریخ کا نیا باب شروع ہوا۔

خلافت عباسیہ کا بانی ابوالعباس سفاح ساڑھے چار برس تک سریر آرائے خلافت رہا، پھر اس کا بھائی ابوجعفر منصور ۱۳۶ھ میں خلیفہ ہوا، جس نے ابومسلم خراسانی کا خاتمہ کر کے عباسی حکومت کو استحکام بخشا۔ ۱۳۹ھ میں دارالخلافہ بغداد تعمیر ہوا جو آخر تک عباسیوں کی راجدھانی رہا، ۱۵۸ھ میں منصور نے انتقال کیا، تو اس کی جگہ محمد مہدی بن منصور خلیفہ ہوا، اس کے بعد ۱۶۹ھ میں موسیٰ ہادی بن مہدی سریر آرائے خلافت ہوا اس کی موت کے بعد ہارون رشید بن مہدی ربیع الاول ۱۷۰ھ میں مسند خلافت پر بیٹھا۔

امام مالک کے تعلقات ابوجعفر منصور عباسی سے لے کر خلیفہ ہارون رشید تک رہے، ان تعلقات کا مقصد جلب منفعت یا حکومت کی پناہ میں عزت وشہرت حاصل کرنا نہ تھا اور نہ ہی امام صاحب ان خلفا کی حکومت کو خلافت علی منہاج الراشدہ سمجھتے تھے اور نہ ہی امام صاحب نے ان خلفا کے خلاف کسی خروج اور بغاوت میں سرگرم حصہ لیا اور تخت حکومت الٹنے کی ناکام تحریکوں میں شرکت فرمائی وہ فتنہ وانتشار کی فضا سے ہمیشہ کنارہ کش رہے، خلفا و امرا سے تعلقات صرف اس بنیاد پر تھے کہ وہ ان کی غلطیوں پر متنبہ کر سکیں اور

انہیں صراط مستقیم پر چلنے کی تاکید کریں۔

محمد ابوزہرہ مصری لکھتے ہیں:

كان مالك لايرى ان حكم الخلفاء الذين عاصروه هو حكم الاسلام لكنه لم يز جواز الانتقاض عليهم لياسه من الاصلاح من طريق الانتقاض ولان الفتن التى بلغه خبرها والتى شاهدها لم تنقل الامر من فساد الى صلاح بل كانت تحوله من فساد الى افسد ومع هذاالراى لم يقطع صلته بالخلفاء والامراء بل كان يرى من الواجب عليه ارشادهم واصلاحهم لانه رجل ينظر الى وقائع الامور ولايقف عندالصور المثالية وحدها وقد وجد ان وعظ هؤلاء يذهب ببعض مايقعون فيه ويقلل من شرهم وربما حملهم على الصلاح المطلق وصار منهم مثل عمر بن عبدالعزيز ۔(مالک ص ۷۲)

امام مالک کا نقطہ نظر یہ نہ تھا، کہ موجودہ خلفا کا حکم ہی اسلام کا حکم ہے، اس کے باوجود وہ خلفا کے فرامین واحکام کے انتقاض کے حق میں نہ تھے، کیوں کہ طریقہ انتقاض اختیار کرنے میں انتشار ہوتا اور وہ خلفا وامرا کی اصلاح سے مایوس ہو جاتے، اس لیے کہ جن فتنوں کی خبر آپ کو پہنچتی اور جن کا آپ مشاہدہ کرتے وہ ایسے نہ تھے کہ ان کی کامل اصلاح کی جاسکے۔ بلکہ فتنوں کے مزید بڑھنے کا امکان تھا اس نقطہ نظر کے باوجود آپ نے خلفا وامرا سے اپنا تعلق نہ توڑا، کیوں کہ آپ ان خلفا وامرا کے غلط طریقوں کی اصلاح کرنا اپنے اوپر فرض سمجھتے تھے اس لیے کہ آپ ایسے شخص تھے جو معاملات کے وقائع کی طرف نظر رکھتے تھے، صرف

مثالی تصویروں کے پاس ٹھہرتے نہیں تھے، اور وہ یہ جانتے تھے کہ ان لوگوں کو نصیحت ان کے بعض فتنوں کو دور کر دے گی اور ان کے شر کو کم کرے گی اور بسا اوقات آپ ان کو مطلق صلاح پر ابھارتے تھے اور ان ہی خلفا میں سے عمر بن عبدالعزیز جیسے خلیفہ ہوئے۔

خلیفہ ابو جعفر منصور امویوں کے زمانہ میں مدینہ منورہ میں علم حاصل کر رہا تھا، وہی زمانہ امام مالک کی تحصیل علم کا بھی تھا، دونوں شیوخ کی بارگاہوں میں ایک ساتھ طلب علم کیا کرتے تھے اور وہ امام مالک کا شریک صحبت تھا، خلیفہ ہونے کے بعد ۱۴۰ھ میں حج کے لیے آیا، تو سفیان ثوری، سلیمان خواص اور شہر کے دیگر شرفا و علما استقبال کے لیے نکلے، امام مالک صرف اس غرض سے آئے کہ منصور جو امویوں کے دور خلافت میں عام طلبہ کی طرح شریک درس ہوا کرتا تھا، دیکھیں کہ خلیفہ ہونے کے بعد اس کا حال کیسا ہے؟ منصور کے دربار میں تمام علما و فقہا موجود تھے، منصور نے امام صاحب سے مخاطب ہو کر کہا، اے ابو عبداللہ! میں فقہی اختلافات سے گھبرا گیا ہوں، عراق میں تو کچھ نہیں ہے شام میں صرف جہاد کا شوق وہاں کوئی بڑا علم نہیں، جو کچھ ہے وہ حجاز میں اور علمائے حجاز کے سرخیل آپ ہیں، آپ ایک ایسی کتاب تصنیف فرمادیں، جو عبداللہ بن عباس، عبداللہ بن مسعود، عبداللہ بن عمر کے اصول فقہ کے مابین اور معتدل ہو، (تاکہ وہ میری قلم رو میں بسنے والوں کا فقہی مسلک ہو)۔

خلیفہ وقت کا یہ اعزاز اور خواہش جو جاہ پسندوں کے لیے یقیناً باعث فخر بات تھی، مگر امام صاحب نے بڑی متانت اور سنجیدگی کے ساتھ منصور کی خواہش کو ٹھکراتے ہوئے فرمایا:

صحابہ تمام اطراف ملک میں پھیل گئے ہیں، ان کے فتاوے اور احکام اپنے اپنے مقام میں وراثتاً ان کے فقہا اور علما تک پہنچے ہیں اور ہر جگہ وہی مقبول ہیں ایسی حالت میں ایک شخص کی رائے و عقل پر جو صحت و غلطی دونوں کر سکتا ہے تمام ملک کو مجبور کرنا درست

نہیں۔ منصور نے کہا، اگر آپ مجھ سے متفق ہوتے تو میں یہی کرتا۔ (تذکرۃ الحفاظ ج۱ص۱۸۹)

ایک بار اس نے پوچھا اے ابوعبداللہ! تم سے بھی زیادہ عمدہ کوئی عالم ہے؟ امام نے فرمایا ہاں! پوچھا وہ کون ہے؟ فرمایا ان کے نام یاد نہیں! منصور نے کہا میں بنوامیہ کے زمانہ میں طلب علم کر چکا ہوں سب کو جانتا ہوں۔ (مناقب للزواوی ص۲۴)

ابوجعفر منصور آپ کے فضل وکمال کا اعتراف صرف روبرو ہی نہ کرتا تھا، بلکہ غائبانہ بھی آپ کی رفعت شان کا خطبہ پڑھا کرتا تھا، ایک بار حضرت سفیان ثوری اور سلیمان خواص منصور سے ملنے گئے، منصور نے خیمہ کے اندر بلایا، سفیان ثوری نے کہا، جب تک یہ مکلف فرش اٹھایا نہیں جائے گا خیمہ کے اندر داخل نہیں ہوسکتا۔ فرش اٹھا دیا گیا، تو آیت کریمہ "منھا خلقنکم وفیھا نعیدکم ومنھا نخرجکم تارۃ اخری" پڑھتے ہوئے سفیان ثوری زمین پر بیٹھ گئے، منصور آبدیدہ ہوگیا سفیان ثوری دیر تک اسے سخت الفاظ میں نصیحت کرتے رہے، پھر اٹھ کر چلے آئے، ایک درباری عہدہ دار ابوعبیدہ نے کہا، امیر المومنین ایسے زبان دراز شخص کے قتل کا حکم کیوں نہیں دیتے؟ منصور نے کہا، خاموش! سفیان ثوری اور مالک بن انس کے سوا کوئی نہیں جس کا ادب کیا جائے۔

خلفا کے روبرو حق گوئی

رسول گرامی وقار صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

افضل الجھاد کلمۃ حق عند سلطان جائر

(اتحاف الخیرۃ ج۶ص۳۴۳)

علمائے حق نے کفار ومشرکین کے خلاف میدان کارزار میں داد شجاعت دے کر جہاد کا فریضہ بھی انجام دیا اور اپنے عہد کے ظالم وجابر خلفا وامرا کے روبرو ان کی روش ظلم وستم اور خلاف شریعت اعمال پر بے لاگ تبصرے کیے اور جان کی پروا کیے بغیر کلمہ حق پیش کیا، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ انجام دے کر جہاد افضل کی فضیلت سے بھی بہرہ مند ہوئے، انہیں مردان حق میں حضرت امام مالک بن انس کی ذات گرامی بھی

تھی، انہوں نے خلفا وامرا سے تعلقات ذاتی فائدے یا جلب منفعت کے لیے قائم نہیں کیے بلکہ مقصد یہ تھا، کہ اپنے اثر ورسوخ سے خلفا وامرا کو سیدھی راہ دکھائیں ان کے مظالم اور استبداد سے خلق خدا کو محفوظ و مامون رکھیں چنانچہ ایک بار لوگوں نے آپ سے دریافت کیا آپ جابر وظالم حکمراں اور خلفا کے پاس آتے جاتے ہیں؟ جواب میں ارشاد فرمایا: ''یرحمك الله فاین التکلم بالحق'' 'ان کے یہاں نہیں تو کہاں حق بات کہی جائے گی۔ (تقدمۃ الجرح والتعدیل ص ۳۰)

امام صاحب کہتے ہیں کہ میں خلیفہ ابوجعفر منصور کے پاس بارہا گیا ہوں مگر میں نے کبھی اس کے ہاتھ کو بوسہ نہیں دیا، حالاں کہ کوئی ہاشمی یا غیر ہاشمی ایسا نہیں تھا، جو اس کے ہاتھ کو بوسہ نہ دے۔ (ایضاص ۲۵)

آپ نے ارشاد فرمایا: ۱۵۰ھ میں ابوجعفر منصور مدینہ آیا میں ملاقات کے لیے گیا تو کہا مالک آپ کے بال بہت سفید ہوگئے ہیں، میں نے کہا، جس کی عمر زیادہ ہوتی ہے اس کے بال زیادہ سفید ہوتے ہیں پھر اس نے کہا مالک! آپ صحابہ میں ابن عمر کی بات پر زیادہ اعتماد کیوں کرتے ہیں؟ میں نے جواب دیا، کہ وہ آخری صحابی تھے، جو ہمارے یہاں زندہ رہے، بوقت ضرورت لوگ ان سے دینی سوالات کرتے تھے اور ان کے قول پر عمل کرتے تھے ابوجعفر منصور نے یہ سن کر کہا، کہ مالک! کوئی بات نہیں ہے آپ کے پاس حق ہے۔

حسین بن عروہ کہتے ہیں کہ ہارون حج کے موقع پر مدینہ آیا اور امام صاحب کی خدمت میں پانچ سو دینار کی ایک تھیلی بھیجی، جب حج سے فارغ ہوکر دوبارہ مدینہ آیا تو امام صاحب کے پاس پیغام بھیجا کہ امیر المومنین کی خواہش ہے کہ امام مالک بغداد تک اس کے ہم سفر رہیں، امام صاحب نے اس کے جواب میں قاصد سے کہا، کہ تم جا کر کہہ دو کہ وہ تھیلی مہر بند رکھی ہوئی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے ''المدینۃ خیر لھم لو کانوا یعلمون'' 'مدینہ لوگوں کے لیے بہتر ہے اگر وہ اس کو

جانیں یہ جواب سن کر ہارون رشید اپنے ارادہ سے باز آ گیا۔ (ایضاص ۲۹)

امام صاحب کی عزیمت اور کوڑوں کی سزا

عباسیوں کے خلاف علویوں کا خروج بڑی شد و مد کے ساتھ ہوا، جس کی قیادت حجاز میں محمد بن عبداللہ (نفس ذکیہ) اور ان کے بھائی ابراہیم بن عبداللہ عراق میں کر رہے تھے، اس تحریک بغاوت نے اتنی قوت حاصل کی، کہ عباسی ایوان اقتدار میں زلزلہ آ گیا اور منصور اپنی حکومت سے تقریباً مایوس ہو گیا، حضرت امام مالک نے ابوجعفر منصور کی ملاطفتوں کے باوجود فتویٰ دیا، کہ خلافت نفس ذکیہ کا حق ہے، لوگوں نے پوچھا، کہ ہم منصور کی بیعت پر حلف اٹھا چکے ہیں، امام صاحب نے فرمایا، منصور نے جبراً بیعت لی ہے اور جو کام جبراً کرایا جائے شرع میں اس کا اعتبار نہیں، حدیث شریف میں ہے کہ اگر جبراً کسی سے طلاق دلائی جائے تو واقع نہ ہوگی۔

نفس ذکیہ کی ناکامی کے بعد جب منصور نے مدینہ کا نظم و نسق اپنے چچیرے بھائی جعفر کے سپرد کیا تو اس نے مدینہ پہنچ کر از سر نو منصور کی بیعت لینی شروع کی اور امام صاحب کو کہلا بھیجا، کہ آئندہ طلاق جبری کے عدم اعتبار کا فتویٰ نہ دیں کہ لوگوں کو بیعت جبری کی بے اعتباری و عدم صحت کے لیے سند ہاتھ آئے، امام صاحب نے شاہی حکم کے علی الرغم حق و صداقت کی ڈگر پر چلنا ترک نہ کیا اور طلاق جبری کی عدم صحت کا فتویٰ دیتے رہے، تو ان کے بارے میں حکم صادر ہوا کہ ستر کوڑے مارے جائیں، دارالامارت میں مجرموں کی طرح لائے گئے، جسم سے کپڑے اتارے گئے، جلاد نے بڑی بے رحمی کے ساتھ پے در پے ستر کوڑوں کی ضرب پوری کی۔ جسم مبارک لہولہان ہو گیا اور دونوں ہاتھ مونڈھوں سے اتر گئے، اس پر بھی تسلی نہ ہوئی تو حکم دیا، کہ اونٹ پر بیٹھا کر شہر میں تشہیر کی جائے، اسی حال زار میں امام عالی مقام مدینہ کے کوچہ و بازار میں پھرائے گئے اس وقت آپ باواز بلند اعلان صداقت فرما رہے تھے، جو مجھ کو جانتا ہے وہ جانتا ہے جو نہیں جانتا وہ جان لے کہ میں مالک بن انس ہوں فتویٰ دیتا ہوں کہ طلاق جبری درست

نہیں۔ (طبقات ابن سعد)

اس کے بعد اسی طرح خون آلود کپڑے میں مسجد نبوی میں تشریف لائے، پشت مبارک سے خون صاف کیا اور دو رکعت نماز پڑھی اور لوگوں سے ارشاد فرمایا، کہ سعید بن مسیب کو جب کوڑے مارے گئے تھے، تو انہوں نے بھی مسجد میں آ کر نماز پڑھی تھی۔
(تزئین الممالک ص ۱۳)

یہ تعزیر تشہیر امام مالک کی شان گھٹانے اور انہیں سرعام حقیر و رسوا کرنے کے لیے بروئے کار لائی گئی، لیکن اس سے امام مالک کی عظمت و وقار میں چار چاند لگ گئے۔ یہ واقعہ ۱۴۷ھ میں پیش آیا۔

ابوزہرہ مصری اس واقعہ کے بارے میں لکھتے ہیں، کہ امام صاحب نے محمد بن عبداللہ بن حسن نفس ذکیہ کی تحریک میں کوئی سرگرم حصہ نہیں لیا اور نہ لوگوں کو عباسی خلافت کی مخالفت پر برانگیختہ کیا، بلکہ امام مالک کے حاسدوں نے جعفر بن سلیمان کے کان بھرے اور اس نے آپ کو اس حدیث کی تحدیث سے باز رہنے کی تاکید کی مگر آپ اس کی بدستور روایت کرتے رہے، جس کے نتیجے میں آپ کو کوڑوں کی سزا دی گئی:

وعندی ان سبب المحنة لیس وھو التحدیث بالحدیث وحده بل التحدیث به فی وقت الفتن واستخدام الثائرین لذلك الحدیث لتعریض الناس علی الخروج مستغلین مکانة مالك فی العلم والافتاء ووجدالذین یسعون بالعلماء واھل الفضل فی ذلك سبیلا للکید بما لك فکادوا له فنھی مالك عن التحدیث به فلم یفعل (مالک ص ۷۰)

میرے نزدیک کوڑوں کی ضرب کا سبب طلاق جبری کی حدیث کا مطلقا روایت کرنا نہیں بلکہ امویوں کے خلاف خروج کے ہنگامے میں لوگوں کو استعمال کرنے کے لیے مخالفین نے اس حدیث کا سہارا لیا تھا، اس

بنا پر کہ لوگ شریعت میں امام مالک کے مقام بلند کے قائل تھے اور جو لوگ علما اور اہل فضل پر کیچڑ اچھالتے ہیں، انہوں نے اس سلسلے میں امام مالک کے متعلق فریب دینے کی راہ پالی اور اس کے درپے ہوئے امام مالک کو اس حدیث کے بیان کرنے سے روکا گیا تو آپ نہ رکے۔

امام مالک بغاوت اور سیاسی تحریکوں سے ہمیشہ الگ رہے، ابوزہرہ لکھتے ہیں:

ان مالكا رضي الله عنه كان ممن لايخوضون في السياسة وكان لايحرض على الثورات ولايرضى عن الفتن ولايالوا نصحا للولاة والخلفاء وياخذ عطايا الخلفاء .(مالك ص٦٧)

خلیفہ منصور کی معذرت

جب خلیفہ منصور کو والی مدینہ جعفر بن سلیمان کی نازیبا حرکت کا علم ہوا، تو اس نے اسے معزول کر دیا اور حکم دیا، کہ گدھے پر سوار کر کے جعفر کو مدینہ سے بغداد لایا جائے اور امام کی بارگاہ میں اپنی لاعلمی اور معذرت کا خط لکھا۔

جب عراق وحجاز میں امن قائم ہو گیا، تو منصور بارادہ حج حجاز آیا تو امام مالک اس سے ملنے کے لیے گئے تو منصور نے بڑی تعظیم کی اور زور دے کر کہا، نہ میں نے تعزیر کی اجازت دی اور نہ مجھے اس کا علم ہوا، امام مالک نے فرمایا کہ ہاں آپ کو اطلاع نہ ہوگی اس کے بعد منصور نے کہا:

اے ابوعبداللہ! جب تک آپ زندہ ہیں آپ اہل حرمین کے ملجا و ماویٰ ہیں، جن مصائب کا ان کو نشانہ بننا چاہیے صرف آپ کی ذات سے وہ ان سے محفوظ ہیں، مجھ کو جہاں تک علم ہے ان دونوں مقامات کے باشندے نہایت فتنہ جو ہیں اور پھر ان میں اتنی طاقت بھی نہیں کہ استقلال سے مقابلہ کر سکیں، میں نے دشمن خدا (جعفر) کی نسبت حکم دیا ہے کہ وہ مدینہ سے بغداد گدھے پر سوار کر کے لایا جائے اور اسے ذلت وایذا پہنچائی جائے، امام صاحب نے فرمایا، اس انتقام کی حاجت نہیں، امیر المومنین! پیغمبر اسلام صلی

اللہ علیہ وسلم کی قرابت کی خاطر اس کو معاف کرتا ہوں۔ (کتاب الامامۃ ج ۲ص ۲۹۰ تا ۲۹۷)

منصور نے خلعت پیش کی، قاعدہ تھا، کہ خلعت کے کپڑے درباری کے کندھے پر رکھ دیے جاتے تھے حاجب نے یہی عام طریقہ امام صاحب کے ساتھ برتنا چاہا، امام صاحب پیچھے ہٹ گئے منصور نے حاجب کو ڈانٹا کہ اس خلعت کو ابوعبداللہ کی فرودگاہ میں پہنچادو۔

خلیفہ منصور کی بے وقت طلبی

ایک بار منصور کو معلوم ہوا کہ علما کو میری حکومت سے ناراضی ہے، اس نے بے وقت شب میں ابن ابی ذئب وابن سمعان فقہائے حجاز اور امام مالک کو طلب کیا، امام صاحب واقعہ سمجھ گئے، زندگی سے ناامید ہوکر غسل فرمایا، کفن کے کپڑے پہن کر حنوط (مردوں کو لگایا جاتا ہے) مل کر دربار میں آئے۔ منصور نے کہا اے گروہ فقہا مجھ کو ایک خبر معلوم ہوئی ہے جس پر افسوس ہے حالاں کہ تمہارا فرض تھا، کہ سب سے پہلے تم میری اطاعت کرتے اور مجھ کو برا کہنے سے باز رہتے اگر مجھ میں کچھ عیب ہوتا تو تم مجھ کو نصیحت کرتے۔ امام صاحب نے فرمایا اے امیر المومنین! خدائے پاک نے ارشاد فرمایا ہے "**یا ایھا الذین آمنوا ان جاء کم فاسق بنبأ فتبینوا ان تصیبوا قوما بجھالۃ فتصبحوا علی ما فعلتم نادمین**" منصور نے کہا اچھا بتاؤ، کہ میں تمہارے نزدیک کیسا ہوں؟ امام نے فرمایا، اللہ مجھے اس کے جواب دینے سے معاف کرو، منصور نے ابن سمعان کی طرف رخ کیا کہ تم بتاؤ میں کیسا ہوں؟ ابن سمعان بولے، امیر المومنین! آپ سب سے بہتر ہیں، حج کرتے ہیں، جہاد کرتے ہیں، مظلوموں کی امداد کرتے ہیں، اسلام کی پشت پناہ ہیں، عادل ہیں، اب منصور نے ابن ابی ذئب سے پوچھا، کہ ابن ابی ذئب تم مجھ کو کیسا سمجھتے ہو؟ ابن ابی ذئب نے نہایت دلیری سے کہا کہ تم بدترین مخلوق ہو، مسلمانوں کی تمام دولت اپنی شان وشوکت میں صرف کرتے ہو غریبوں کو ہلاک کر ڈالا، امیروں کو پریشان کر ڈالا بتاؤ کل تم خدا کے سامنے کیا جواب

دو گے؟ منصور نے کہا تم دیکھتے ہو کہ تمہارے سامنے کیا چیز ہے؟ ابن ابی ذئب نے کہا ہاں ننگی تلواریں دیکھ رہا ہوں، لیکن آج کی موت کل کی موت سے بہتر ہے۔

تھوڑی دیر کے بعد ابن سمعان اور ابن ابی ذئب اٹھ کر چلے گئے، منصور نے کہا مجھے آپ کے کپڑوں سے حنوط کی بو آتی ہے، امام صاحب نے فرمایا اس بے وقت طلب کی بنا پر میں اپنی زندگی سے مایوس ہو کر آیا تھا، منصور نے کہا، سبحان اللہ! ابو عبداللہ کیا میں خود اپنے ہاتھ سے اسلام کا ستون گرادوں گا۔ (کتاب الامامۃ والسیاسۃ ج ۲ ص ۲۷۶)

محمد المہدی

اس سفر حج میں حج سے پہلے ۶/ذوالحجہ ۱۵۸ھ میں منصور نے انتقال کیا اور محمد المہدی اس کا جانشیں ہوا، دو سال کے بعد ۱۶۰ھ میں مہدی مع شہزادگان موسی و ہارون حج کے ارادے سے عازم حجاز ہوا، حج سے فارغ ہو کر مدینہ منورہ آیا، شہر کے قریب پہنچا تو شرفا و علماے شہر نے استقبال کیا، جن میں امام مالک بھی داخل تھے، مہدی نے امام کو دیکھا، تو ان کی طرف توجہ کی اور سلام کر کے سینہ سے لگالیا۔ اس سال حجاز میں سخت قحط تھا، موقع پا کر امام نے فرمایا، امیر المومنین! اس وقت آپ جس شہر میں جارہے ہیں، وہاں مہاجرین و انصار کی اولاد آباد ہے وہ روضہ نبوی کے ہمسایہ ہیں، مہدی امام کا مقصود سمجھ گیا ۲۵/لاکھ درہم امام کے پاس بھیج دیے کہ تقسیم کر دیجیے۔ امام صاحب نے رقم اپنے معتمد تلامذہ کے حوالہ کی تاکہ حسب حاجت لوگوں میں تقسیم کر دیں۔

(کتاب الامامۃ ج ۲ ص ۲۹۰ مناقب مالک للزواوی ص ۲۷)

جب مہدی نے دربار میں حاضری کے لیے سواری بھیجی، امام صاحب نے سواری واپس کر دی اور فرمایا، کہ میں مدینہ منورہ میں سوار ہو کر نہیں نکلتا، کیوں کہ ان گلی کوچوں میں سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم پیادہ چلتے تھے، ان گلیوں کو سواریوں کے قدموں سے روندنا خلاف ادب ہے۔ امام صاحب پیدل ہی دربار میں تشریف لے گئے، چوں کہ بیمار تھے، اس لیے مشاہیر علماے مدینہ سے ٹیک لگا کر بیٹھے۔ مہدی نے کہا،

سبحان اللہ! اگر میں اس کام کو کہتا تو شاید ان میں کوئی قبول نہ کرتا۔ مغیرہؒ نے کہا، امیر المومنین! مالک جس سے ٹیک لگا کر بیٹھے ہیں، وہ اس کے لیے شرف کی بات ہے۔

(زواوی عن ابی مصعب ص ۲۸)

خلیفہ مہدی نے امام دارالہجرت سے مؤطا کی سماعت کی اور اپنے دونوں بیٹوں موسیٰ اور ہارون سے کہا، کہ وہ مؤطا کا درس لیں، شہزادوں نے امام کو بلا بھیجا، امام صاحب نے فرمایا، علم بیش قیمت شی ہے شائقین خود چل کر اس کے پاس آتے ہیں۔ مہدی نے حکم دیا، کہ تم دونوں امام صاحب کی مجلس درس میں خود حاضری دو۔ جب حلقہ درس میں پہنچے تو شہزادوں کے اتالیق نے امام صاحب سے عرض کیا، آپ مؤطا پڑھ کر سنائیں؟ امام صاحب نے ارشاد فرمایا، کہ ہمارے علما کا دستور یہ ہے طلبہ پڑھیں شیوخ سنیں۔ مہدی کو خبر دی گئی اس نے کہا، کہ ان علما کی اقتدا کرو اور تم خود پڑھو، چنانچہ انہوں نے خود پڑھا اور امام نے سماعت کی۔ (تزئین الممالک ص ۴۵)

خلیفہ ہارون رشید اور امام دارالہجرت

خلیفہ مہدی نے ۱۶۹ھ میں وفات پائی اور اس کی جگہ موسیٰ ملقب بہ ہادی مسند خلافت پر بیٹھا، لیکن ایک سال بعد ہی ۱۴ ربیع الاول ۱۷۰ھ میں فوت ہوا، جس کی جگہ ہارون رشید بن مہدی سریر آرائے خلافت ہوا۔ خلافت کے پہلے ہی سال بغرض حج وزیارت حجاز آیا، جب مدینہ منورہ پہنچا، لوگ پیدل استقبال کے لیے باہر نکلے، امام صاحب بھی محمل میں سوار ہو کر آئے۔ جب ہارون کی نظر پڑی بہت خوش ہوا اور کہا، آپ کی تصنیفات پہنچیں، خاندان کے نوجوانوں کو ان کے مطالعہ کی تاکید کی ہے، لیکن ہم نے ان کتابوں میں عبداللہ بن عباس اور علی بن ابی طالب کی روایتیں نہیں پائیں، کیا وجہ ہے؟ امام دارالہجرت نے فرمایا اے امیر المومنین! یہ دونوں بزرگوار ہمارے شہر میں نہ تھے۔

(تزئین الممالک ص ۴۶)

۱۷۴ھ میں ہارون رشید حج کے لیے آیا تو اس کے دونوں بیٹے امین و مامون

ساتھ تھے، ہارون رشید نے امام مالک کو مؤطا املا کرانے کی غرض سے سراپردہ خلافت میں طلب کیا، امام صاحب نے انکار کیا، اور ہارون کے پاس مؤطا لیے بغیر تشریف لائے رشید نے شکایت کی امام صاحب نے فرمایا، اے ہارون رشید! علم تیرے گھر سے نکلا خواہ اس کو ذلیل کر خواہ عزت دے۔ ہارون شرمندہ ہوا اور امین و مامون دونوں کو ساتھ لے کر مجلس درس میں حاضر ہوا۔ مجلس درس میں عام طلبہ کا ہجوم تھا، ہارون رشید نے کہا، اس بھیڑ کو الگ کر دو، امام صاحب نے فرمایا، شخصی منفعت کے لیے عام افادہ کا خون نہیں کیا جا سکتا۔ ہارون مسند پر بیٹھ گیا امام نے فرمایا، اے امیر المومنین! تواضع پسندیدہ ہے ہارون نیچے اتر گیا۔

ہارون نے امام صاحب سے کہا، مؤطا کی قرأت کیجیے امام نے فرمایا یہ بات خلاف عادت ہے یہ کہہ کر اپنے ایک ہونہار شاگرد معن بن یحییٰ کو اشارہ کیا، انہوں نے قرأت شروع کی، ہارون اور شہزادوں نے مؤطا کا سماع کیا۔

اس سفر حج میں ہارون کے ساتھ عراق و حجاز کے علما و فقہا تھے، ہارون رشید نے ان علما کی ایک مجلس منعقد کی، امام صاحب مسند تدریس پر جلوہ افروز ہوئے، مؤطا کا املا شروع ہوا۔ ہر مسئلہ کے اختتام پر فقہا و محدثین خاموشی کے ساتھ صحت کی تصدیق کرتے جاتے تھے۔

حدیث و فقہ کی یہ مجلس ختم ہوئی اور امام صاحب واپس تشریف لے گئے تو ہارون رشید نے حاضرین مجلس سے خطاب کیا:

اے فقہائے عراق و حجاز! اس وقت مالک بن انس نے جو مسائل بیان کیے ہیں کیا تم لوگوں کو اس میں کچھ اختلاف ہے؟ فقہائے کرام نے ارشاد فرمایا نہیں، ہمیں صرف ایک مسئلہ میں کلام ہے۔ ہارون نے کہا کہ عجب نہیں کہ امام مالک کے اس مسئلہ کا ماخذ قرآن ہو، بہر صورت ہارون رشید نے امام صاحب کو تشریف لانے کی دعوت دی، امام صاحب تشریف لائے۔ ہارون رشید نے کہا اے ابو عبداللہ! مؤطا کے ایک مسئلہ سے ان کو

اختلاف ہے، آپ اپنے اس مسئلہ کی دلیل وصحت ان کو بتائیں۔خلیفہ ہارون رشید کو امام صاحب سے کتنی عقیدت ومحبت تھی، اس کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے، کہ تمام فقہا کے مقابلے میں کہتا ہے اور میں بھی اس مسئلے میں آپ کے ساتھ ہوں۔

امام صاحب نے قرآن وحدیث کے ذریعہ دلائل وبراہین قائم کیے، جس پر جملہ فقہائے عظام نے سر تسلیم خم کردیا۔

اس کے بعد امام صاحب نے ہارون سے خطاب کیا، اے امیر المومنین! جس طرح آپ نے یہاں اس وقت مجھے یاد کیا، آپ کے والد نے بھی اسی طرح مجھے یاد کیا تھا اور میں نے ان کو حدیثیں سنائی تھیں۔بعدازاں امام صاحب نے مدینہ منورہ کے فقراومساکین اور ستم رسیدہ لوگوں کی طرف توجہ دلائی۔ہارون رشید نے زرکثیر سے فقرائے مدینہ کی امداد کی۔

منبر رسول صلی اللہ علیہ وسلم

مسجد نبوی میں ایک منبر تھا، جس پر بیٹھ کر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ دیا کرتے تھے، اس منبر پر صرف تین زینے تھے، لیکن حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے چند زینوں کا اور اضافہ کردیا تھا۔ہارون رشید نے چاہا کہ زائد زینے نکال کر پھر منبر نبوی اپنی اصلی حالت پر کردیا جائے۔امام صاحب سے مشورہ کیا۔امام صاحب نے فرمایا، کہ ایسا نہ کیجیے، کہ اس منبر کی لکڑی کہنہ اور کمزور ہوگئی ہے، اگر تختوں کو ادھر ادھر کیا جائے گا تو ٹوٹ جائیں گے۔اور اس کی اصل وجہ یہ تھی، کہ وفات نبوی کے وقت مدینہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی یادگاروں پر تھا۔بستر شریف، پیالا، عصا، موئے مبارک، نعلین پاک بہت سی چیزیں مدینہ میں تھیں، لیکن آج مدینہ نے ایک ایک کر کے سب کو کھودیا ہے، تاراج شدہ سرمایہ سے صرف ایک یہی منبر رہ گیا ہے، جو بھاری ہونے کے سبب مسجد نبوی سے کبھی نکلتا نہیں، اگر اس میں کہیں تین زینے کردیے جائیں، تو مجھ کو خوف ہے کہ مسجد نبوی کے بدلے بارگاہ خلافت کہیں اس سے مزین نہ ہوجائے۔ہارون رشید بھی اس نکتہ کو

سمجھ گیا اور اپنے خیال سے باز آیا۔ (کتاب الامامۃ والسیاسۃ ج۲ص ۲۹۷)

مؤطا کو خانہ کعبہ میں آویزاں کرنے کی تجویز

ابونعیم نے حلیہ میں خود امام مالک سے روایت کی ہے، کہ ہارون رشید نے چاہا، کہ مؤطا کو خانہ کعبہ میں آویزاں کیا جائے اور تمام مسلمانوں کو فقہی احکام میں اس کے اختیار واتباع پر مجبور کیا جائے۔ یہ وہ وقت تھا، کہ عزت طلب اشخاص کے لیے اس سے زیادہ طلائی موقع ہاتھ نہیں آسکتا، لیکن امام مالک نے جواب دیا، ایسا نہ کرو خود صحابہ فروع میں مختلف ہیں اور وہ ممالک میں پھیل چکے ہیں اور ان میں ہر شخص مصیب ہے۔ (تزئین الممالک عن ابی نعیم ص ۴۶)

حضرت امام مالک بن انس نے خلیفہ ہارون رشید کے دور خلافت میں وفات پائی، امین و مامون عہد شہزادگی ہی میں امام صاحب سے مستفید ہو چکے تھے، ہارون رشید کے نام امام صاحب کا ایک رسالہ بھی ہے، جس میں امام صاحب نے ہارون کو نصائح کیے ہیں اور آداب وسنن کی تعلیم دی ہے۔

خلفا کو نصائح

امام مالک کا نقطہ نظر یہ تھا، کہ امرا و وزرا کو براہ راست نصیحت کی جائے اور انہیں اسلامی شریعت اور منہج خلافت کا پابند بنایا جائے، تاکہ عوام کے ساتھ انصاف کر سکیں اور رعایا کی ضروریات کی تکمیل کر سکیں۔ اعلان حق امرا و سلاطین کے روبرو موثر اور مفید ہوتا ہے، ان کی اصلاح سے انتظام سلطنت کی اصلاح اور عدل اجتماعی کے راستے ہموار ہوتے ہیں۔ امر بالمعروف ونہی عن المنکر کا مہتم بالشان فریضہ امرا و خلفا کے سامنے ہی ادا ہوتا ہے اور یہ علمائے ربانیین کی ذمہ داری ہے، امام مالک فرماتے ہیں:

حق علی کل مسلم اور جل جعل اللہ فی صدرہ شیئا من العلم والفقہ ان یدخل الی ذی سلطان یامرہ بالخیر وینھاہ عن الشر حتی یتبین دخول العالم عن غیرہ فاذا کان فھو

الفضل الذی مابعدہ فضل ۔(مالك ص ۷۳)

ہر مسلمان پر فرض ہے، جس کے سینے میں اللہ تعالیٰ نے علم اور فقہ کا کچھ حصہ ودیعت کیا ہے، کہ وہ جب کسی حکمراں کے پاس جائے تو اسے خیر کا حکم دے اور برائی سے منع کرے، یہاں تک کہ حاکم کے پاس عالم کا آنا اس کے غیر کے آنے سے ممتاز ہو جائے گا تو یہی فضیلت ہے، جس کے بعد کوئی فضل نہیں۔

امام مالک کے بعض شاگردوں نے کہا، کہ خلفا کے پاس آپ کی حاضری پر لوگ تنقید کرتے ہیں، تو جواب میں ارشاد فرمایا:

ان ذلك بالحمل من نفسی وذلك انه ربما استشیر من لاینبغی۔ (ایضاً ۷۳)

اس میں شک نہیں ہے، کہ میں آنے جانے کی مشقت برداشت کرتا ہوں، مگر یہ صرف اس لیے ہے، تاکہ غیر مناسب لوگوں سے مشورہ نہ لیا جائے۔

جب خلفا موسم حج میں حرمین شریفین آتے، تو امام مالک ان کو پند و موعظت کرتے اور خود خلفا بھی آپ سے نصیحتوں کے طالب ہوا کرتے، خلیفہ ابو جعفر منصور نے ان سے عرض کیا، کہ آپ ولایت حجاز کے بارے میں اپنی رائے ظاہر فرمائیں اور اس سلسلے میں دریافت کیا:

ان رایك ریب من عامل المدینة او عامل مكة او احد من عمال الحجاز فی ذاتك او ذات غیرك او سوء او شر بالرعیة فاكتب الی بذالك انظر بهم مایستحقون ۔(مالک ص ۷۳)

اگر آپ کو عامل مدینہ، عامل مکہ یا حجاز کے کسی عامل کے بارے میں اپنی ذات یا کسی اور کی ذات کے حوالے سے شک ہو یا رعایا کے متعلق ان

کی بدسلوکی یا شرپا رہے ہوں تو اس کے بارے میں مجھے لکھیں، تو میں ان کے متعلق غور کروں گا، جس چیز کے وہ مستحق ہیں۔

امام مالک خلیفہ مہدی کے پاس گئے، تو اس نے کہا مجھے کوئی نصیحت کیجیے! آپ نے فرمایا:

اوصیك بتقویٰ الله وحده والعطف علی اهل رسول الله صلی الله علیه وسلم وجیرانه فانه بلغنا ان رسول الله صلی الله علیه وسلم قال المدینة جری بها قبری وبها مبعثی واهلها جیرانی وحقیق علی امتی حفظی فی جیرانی فمن حفظهم کنت له شهیدا وشفیعا یوم القیامة۔ (مالك ص ۷۳)

میں تمہیں وصیت کرتا ہوں، کہ صرف اللہ سے ڈرو، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قرابت داروں اور پڑوسیوں پر رحم کرو، اس لیے کہ ہمیں خبر پہنچی ہے، کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے، کہ مدینہ میری ہجرت گاہ ہے اور اس میں میری قبر ہے اور وہیں سے میں اٹھایا جاؤں گا، اس کے باشندے میرے پڑوسی ہیں اور میری امت پر پڑوسیوں کے ساتھ حسن سلوک کرنا فرض ہے۔ جو پڑوسیوں کی حفاظت کرے گا، جو میں قیامت کے دن اس کے لیے گواہ یا شافع ہوں۔

اس نصیحت کا مہدی پر بڑا اثر ہوا اور اس نے اہل مدینہ کو بہت سارے عطیے دیے۔ جب مدینہ سے جانے کا ارادہ کیا تو امام مالک اس سے ملنے گئے تو مہدی نے آپ سے کہا:

انی محتفظ بوصیتك التی حدثتنی بها ولئن سلمت ماغبت عنهم۔ (مالك)

میں آپ کی اس وصیت پر عمل پیرا رہوں گا، جو آپ نے مجھ سے بیان کی، جب تک میں زندہ رہا اہل مدینہ کے حقوق کا خیال رکھوں گا۔

امام مالک خلفا کے درباروں میں اپنے علمی وقار و وجاہت کے ساتھ تشریف لے جایا کرتے اور اپنی عزت نفس کا پورا لحاظ کرتے یہی وجہ ہے کہ آپ کی نصیحتیں موثر ہوتیں، کیوں کہ قول کا مقام قائل کے مقام کے مطابق ہوتا ہے۔

خلیفہ مہدی ایک مرتبہ مدینہ آیا تو لوگ اس کے پاس سلام کے لیے حاضر ہوئے، جب مجلس بھر گئی، امام مالک آئے اور انہوں نے اجازت طلب کی، لوگوں نے کہا، آج مالک تمام لوگوں سے پیچھے بیٹھیں گے، جب امام صاحب اندر داخل ہوئے اور لوگوں کی بھیڑ دیکھی تو فرمایا اے امیر المومنین! آپ کا شیخ مالک کہاں بیٹھے؟ مہدی نے جواب دیا، اے ابوعبداللہ! آپ میرے پاس بیٹھیں گے، لوگوں نے راستہ دیا اور امام صاحب مہدی کے پاس پہنچے تو مہدی نے آپ کو داہنی طرف بغل میں بٹھایا۔

(ایضاً ص ۴۷)

امام مالک خلفا کے روبرو نصیحتیں فرمایا کرتے تھے اور انہیں اپنے خطوط میں بھی پند و نصیحت فرمایا کرتے تھے۔ ان کا ایک مکتوب جس میں انہوں نے خلیفہ کو بھرپور نصیحت کی یہ ہے:

اعلم ان الله تعالیٰ قد خصك من موعظتي اياك به قديما واتيت لك فيه ما ارجوان يكون الله تعالیٰ جعله لك سعادة وامرا جعل سبيلك به الى الجنة فلتكن رحمنا الله واياك فيما كتبته اليك مع القيام بامر الله وما استرعاك الله من رعيته فانك المسئول عنهم صغيرهم وكبيرهم وقد قال النبي صلى الله عليه وسلم كلكم راع وكلكم مسئول عن رعيته وروى فى بعض الحديث انه يوتى بالوالي ويده

مغلولة الى عنقه فلايفك عنه الاالعدل وكان عمر بن الخطاب رضى عنه يقول والله ان هلكت سخلة بشط الفرات ضياعا لكنت ارى الله تعالىٰ سائلا عنها عمر وحج عمر عشرسنين وبلغنى انه ماكان ينفق فى حجه الا اثنى عشر دينارا وكان ينزل فى ظل الشجرة ويحمل على عنقه الدرة ويدور فى الاسواق يسال من احوال من حضره وغاب عنه ولقد بلغنى انه وقت اصيب حضر اصحاب النبى صلى الله عليه وسلم فاثنوا عليه فقال المغرور من غررتموه لوان ما على الارض ذهب لافتديت به من اهوال المطلع فعمر رحمه الله تعالىٰ ماكان مسددا موفقا مع انه قد شهد له النبى صلى الله عليه وسلم بالجنة ثم هو مع هذا خالف لما تقلد من امور المسليمن فكيف بمن قد علمت فعليك بما يقربك الى الله،وينجيك منه غدا،واحذريوما لاينجيك فيه ا لاعملك اسوة بمن قد مضى من سلفك وعلى ب تقوىٰ الله فقدمه حيث هممت وتطلع فيما كتبت به اليك فى اوقاتك كلها وخذ نفسك بتعاهدها والاخذ به والتادب عليه واسأل الله التوفيق والرشد ان شاء الله تعالىٰ (مالك ص ۷۴،۷۵)

آگاہ ہوجاؤ، کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں پہلے بھی میری نصیحتوں سے بہرہ مند ہونے کا موقع دیا اور اس سلسلے میں میری جو امید تھی، پوری ہوئی، کہ اللہ تعالیٰ ان نصیحتوں کے ذریعے تمہیں سعادت اور دخول جنت کا مستحق بنائے تو چاہیے، کہ اب کی جانے والی نصیحت پر بھی تم عمل کرو، ساتھ ہی

اللہ کے حکم کی پابندی کرو اور جو حقوق اللہ نے رعایا کے متعلق تم پر رکھے انہیں ادا کرو اس لیے کہ تم سے رعایا کے ہر فرد کے بارے میں سوال کیا جائے گا اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے تم میں کا ہر ایک اپنے ماتحتوں کا نگہبان ہے اور ان کے بارے میں جواب دہ ہوگا، بعض حدیثوں میں آیا ہے کہ قیامت کے دن حاکم کو لایا جائے گا اس حال میں کہ اس کا ہاتھ گردن سے بندھا ہوگا اور عدل کے علاوہ کوئی چیز اس کے ہاتھ کو گردن سے جدا نہیں کر سکتی، عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کہا کرتے تھے، کہ اگر کوئی بکری کا بچہ دریائے فرات کے ساحل پر ہلاک ہو جائے تو میں سمجھتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ اس کے بارے میں عمر سے سوال کرے گا۔

حضرت عمر نے دس سال حج کیا، مگر روایت کے مطابق وہ اپنے حج میں صرف بارہ دینار خرچ کرتے تھے، درخت کے سائے میں فروکش ہوتے اور اپنی گردن پر کوڑا اٹھائے ہوتے اور بازاروں میں گشت کرتے ہوئے حاضر و غائب کے بارے میں دریافت کرتے اور روایت میں یہ بھی آیا ہے، کہ جس وقت آپ زخمی ہوئے صحابہ کرام آپ کی بارگاہ میں حاضر ہوئے آپ کی تعریف کی، تو آپ نے ارشاد فرمایا، جس کی تم نے تعریف کی وہ فریب خوردہ اور ہلاکت میں پڑنے والا ہے، پوری روئے زمین سونا ہو جائے اور میں اسے فدیہ میں دے کر مامون ہو جاؤں تو میں ضرور ایسا کرتا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ سچے اور خدا کی توفیق سے بہرہ مند تھے، ساتھ ہی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کے لیے جنت کی شہادت دی تھی، پھر بھی وہ مسلمانوں کے امور خلافت کی ذمہ داریوں کی ادائیگی کے سلسلے میں خوفزدہ رہتے تھے، تو کیا حال ہوگا، جو خود سے امر خلافت حاصل کرے تو تم پر لازم ہے کہ وہ طریقے اختیار کرو، جو تمہیں

اللہ سے قریب کر دے اور کل اس کے عذاب سے نجات دے اور ڈرو
اس دن سے جس دن تمہارے اعمال خیر کے سوا کوئی چیز نجات نہیں دے
گی اور اس لیے کہ یہ تمہارے گزرے ہوئے اسلاف کا نمونہ ہو اور تم اللہ
سے ڈرو تو تم میرے ارادے کے مطابق ان باتوں کو مقدم رکھو اور
جو باتیں میں نے تمہیں لکھی ہیں ہر وقت ان کو پیش نظر رکھو اور پابندی
سے ان کو بجالاؤ ان پر عمل کرو اور ان پر سختی سے قائم رہو اور میں اللہ سے
توفیق اور ہدایت کا طالب ہوں۔

دنیا کا عام دستور ہے، کہ لوگ بادشاہوں اور امیروں کے سامنے ان کی جھوٹی یا کم از کم مبالغہ آمیز مدح وستائش کرتے ہیں، ان تعریفوں سے ممدوح اپنے معائب، کوتاہیوں اور ناانصافیوں کو بھول جاتا ہے اور خود کو محاسن و مکارم اخلاق کا جامع تصور کرنے لگتا ہے، تعریف وتوصیف کی شیرینی اسے مغرور، متکبر، فرض ناشناس اور ظالم وجابر بنا دیتی ہے، حقائق کی تلخیوں سے وہ چراغ پا ہو جاتا ہے، گریبان میں جھانک کر اپنی ذات وصفات کا جائزہ لینے کے بجائے تشدد کے ذریعہ حق وصداقت کی آوازوں کو خاموش کر دیتا ہے۔

امام مالک رضی اللہ عنہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ جابر سلاطین کے روبرو انجام دیتے اور انہیں جھوٹے مداحین سے بچنے اور ان کی خودغرضانہ توصیف وثنا سننے سے باز رکھتے۔

ایک بار امام مالک رضی اللہ عنہ کسی امیر کے پاس تھے، کسی نے اس کی تعریف کی، امام مالک اس شخص پر سخت ناراض ہوئے اور فرمایا:

ایاک ان یغرک ھؤلاء بثنائھم علیک فان من اثنی علیک وقال فیک من الخیر مالیس فیک اوشک ان یقول فیک من الشر ما لیس فیک فاتق اللہ فی التزکیۃ منک لنفسک

او ترضى بها من احد بقولة يقولها لك في وجهك فانك انت اعرف بنفسك منهم فانه بلغني ان رجلا مدح عند النبي صلى الله عليه وسلم فقال قطعتم ظهره او عنقه لو سمعها ما افلح وقال صلى الله عليه وسلم احثوا التراب في وجوه المداحين ۔ (مالک ص ۷۵)

تم بچو اس سے کہ یہ لوگ تمہاری تعریف کر کے تمہیں دھوکے میں ڈالیں اس لیے کہ جس نے تمہاری تعریف کی اور تمہارے متعلق وہ بھلائی کی بات کہی، جو تم میں نہیں تو قریب ہے کہ وہ تمہارے متعلق ایسی بری بات کہے جو تم میں نہ ہو تو اپنی ذات کو بہتر سمجھنے اور متکبر ہونے میں اللہ سے ڈرو اور اس سے بچو کہ تم راضی ہو جاؤ اس شخص کی بات پر جو تمہارے روبرو اچھی اچھی بات کہے اس لیے کہ تم لوگوں سے کہیں زیادہ اپنی حقیقت سے واقف ہو، اس لیے کہ مجھے خبر پہنچی ہے، کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کسی شخص کی تعریف کی گئی، تو آپ نے ارشاد فرمایا، کہ اگر وہ شخص اس تعریف کو سن لے تو نجات نہیں پائے گا اور آپ نے فرمایا، تعریف کرنے والوں کے منہ میں مٹی ڈال دو۔

علم حدیث

امام دارالہجرت نے مدینۃ الرسول کی علمی وروحانی فضاؤں میں زندگی کے لیل ونہار بسر کیے، انہوں نے طلب علم کا آغاز کیا تو مدینہ منورہ قال اللہ وقال الرسول کے نغموں سے گونج رہا تھا، اکابر تابعین عظام کے درس مسجد نبوی اور اس کے علاوہ جابجا قائم تھے، اور ہر طرف علم نبوت کے چشمے موجیں مار رہے تھے۔ امام مالک نے ان علمی حلقوں سے بھرپور فیض اٹھایا اور اپنے دامن کو علم نبوت کے تاب ناک جواہرات سے بھر لیا۔ محدثین عظام کی صف اول میں امام مالک کو نمایاں مقام حاصل ہوا، اس کا اعتراف دنیائے اسلام کی عظیم علمی وعبقری شخصیتوں نے دل کھول کر کیا۔ ماہرین فن کا اعتراف اگر فضیلت کا معیار ہے تو کہا جا سکتا ہے، کہ امام مالک کا پایہ اس معیار فضیلت کی بنا پر بہت بلند اور ارفع ہے۔ امام مالک اگرچہ ارباب رائے محدثین میں ہیں جب کہ ائمہ فن اہل الرائے محدثین کی عظمت کا اعتراف کم کرتے ہیں، مگر امام مالک باوجود انتساب رائے محدثین میں وہی درجہ رکھتے ہیں جو صاحب فن امام حدیث اپنے اتباع میں۔

انہیں علم حدیث میں جو مرتبہ بلند حاصل ہوا اس کی بنیاد یہ ہے کہ وہ ہر محدث سے حدیثیں قبول نہیں کرتے، بلکہ ان ثقہ، متدین، حافظ وضابط، بالغ نظر، تفقہ فی الدین رکھنے والے شیوخ ہی سے سماع وکسب حدیث کیا کرتے تھے، جن کی علمی جلالت اور ثقاہت پر انہیں پورا اعتماد ہوتا۔

امام مالک کا انتخاب شیوخ

امام مالک کا زمانہ حضرات تابعین کا سنہری دور تھا، ہر طرف تحدیث وروایت کا غلغلہ

عام تھا۔امام مالک نے ہر حلقہ درس یا ہر راوی حدیث شیخ سے سماع حدیث کو جائز نہ سمجھا۔ سماع حدیث کے لیے وہ بڑے حزم واحتیاط سے کام لیتے، جب تک کسی شیخ کے بارے میں یقین نہ ہو جاتا، کہ وہ ثقہ، تام الضبط، صادق القول اور عقل کامل رکھتا ہے، صحیح وسقیم میں اسے تمیز کا ملکہ حاصل ہے، اس وقت تک اس سے حدیث نہ لیتے، اگر چہ دور تابعین، دور صحابہ کی طرح خیر القرون میں شامل ہے، مگر عہد رسالت کے بعد کی وجہ سے اس دور میں بعض مفاسد اور اخلاقی کمزوریوں نے معاشرے میں راہ پالی تھی اور بہت سے لوگ ان کے مرتکب ہو رہے تھے، کچھ لوگ زہد وورع میں ممتاز تو تھے، لیکن نقد حدیث کا ملکہ نہ ہونے کی وجہ سے ہر کس وناکس سے سنی ہوئی حدیث کو صحیح سمجھ کر بلا تامل روایت کر رہے تھے، سیکڑوں غیر فقیہ راوی ایسے تھے، جو اپنی روایات کا پورا محمل ومفہوم نہیں سمجھتے تھے، کچھ ایسے تھے، جو عدم ممارست فن کے سبب جید وردی میں تمیز نہیں کر سکتے تھے، لیکن چوں کہ اس زمانہ میں روایت حدیث عز وشرف کا سبب تھا، اس لیے اہل فضل ومستحقین علم کے پہلو بہ پہلو غیر مستحقین بھی اپنی مسند درس آراستہ کیے ہوئے تھے اور لوگ ان کی درسگاہوں میں بھی شریک ہوتے اور حدیثیں سن کر محفوظ کرتے، مگر امام مالک نے جب طلب حدیث کے کوچے میں قدم رکھا تو صغر سنی کے باوجود ان کا پاکیزہ علمی ذوق اور نقد حدیث کی قوت انہیں ایسے شیوخ ہی کی بارگاہوں تک لے گئی، جو ہر قسم کے معائب سے پاک، صدق وطہارت میں معروف اور حفظ وفقہ میں ممتاز تھے اور ان کا شعور نقد ونظر احادیث کی صحت وسقم میں ممتاز تھا، امام صاحب نے کبھی بھی ان شیوخ کے حلقوں کا رخ نہیں کیا، جنہیں وہ تحدیث وروایت کا اہل نہیں سمجھتے تھے وہ تحدیث نعمت کے طور پر خود فرمایا کرتے تھے، میں کبھی کسی غیر فقیہ (سفیہ) کی مجلس میں نہیں بیٹھا۔امام احمد بن حنبل فرماتے ہیں، کہ یہ مخصوص نعمت تھی، جو صرف امام مالک کے حصے میں آئی، امام مالک کا بیان ہے، کہ میں نے مسجد نبوی کے ان ستونوں کے پاس ستر ایسے شیوخ کو پایا، جو قال رسول اللہ کہا کرتے تھے، لیکن ان میں سے کسی کے پاس نہیں بیٹھا، کبھی فرماتے، مدینہ میں بیسوں اشخاص تھے، جن سے لوگ حدیث سنتے تھے، لیکن

میں نے کبھی ان سے اخذ علم نہیں کیا۔

امام صاحب کسی عراقی شیخ سے حدیث نہیں لیتے، جب کسی غیر مدنی شیخ سے اخذ حدیث کرنا چاہتے تو ہمیشہ اس کا تجربہ اور نقد کر لیتے تھے، امام صاحب کا کوئی شیخ اگر عراقی کہا جا سکتا ہے، تو وہ مشہور تابعی ابو ایوب سختیانی ہیں، جن کی نسبت ابن سعد کا بیان ہے:

کان حجة ثقة ثبتا فی الحدیث جامعا کثیر العلم۔

جن کو امام شعبہ نے سید الفقہا کا خطاب دیا ہے، جن کا نام رجال میں احد الائمۃ الاعلام کے وصف کے ساتھ لیا جاتا ہے۔ ابن عیینہ کہتے تھے "لم الق مثلہ" مجھے ان کے مثل نہیں ملا۔ ابن ناصر الدین کے بقول ایوب علما کے سردار تھے حفاظ حدیث کے امام ثقہ اور بیدار مغز علما میں سے تھے۔ (شذرات الذہب ج ا ص ۱۸۱)

امام نووی کہتے ہیں: سب ان کی جلالت و امامت، حفظ اور ثقاہت، وفور علم و فہم اور سیادت پر متفق ہیں۔ (تہذیب ج ا ص ۲۴۸)

خود امام مالک بیان فرماتے ہیں:

کان من العالمین العاملین الخاشعین من عباد الناس وخیارھم۔ (ایضا)

ایوب علمائے عاملین وخاشعین میں سب سے بہتر ہیں۔

امام مالک کہتے ہیں، کہ میں نے ایام حج میں دو سال ایوب سختیانی کو دیکھا لیکن ان سے کوئی حدیث نہیں لکھی، تیسرے سال دیکھا کہ وہ بیر زمزم پر بیٹھے تھے، جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اسم گرامی لیا جاتا، تو اتنا روتے تھے، کہ مجھ کو رحم آتا تھا، جب یہ حال دیکھا، تو ان کی حدیث لکھی، امام مالک ایسے شیوخ سے بھی حدیث لینے میں محتاط تھے، جن کی عمریں سو یا سو سے زیادہ ہو گئی تھیں اور ان کے قوی مضمحل ہو گئے تھے، کیوں کہ اس عمر تک پہنچنے کے بعد عموماً حفظ وضبط میں خلل واقع ہو جاتا ہے اور سہو ونسیان کا صدور ہونے لگتا ہے، خود فرماتے ہیں، میں نے مدینہ میں بعض ایسے حضرات کا زمانہ پایا، کہ وہ سو یا ایک

سو پانچ برس کی عمر کو پہنچ گئے تھے، لیکن ایسے بوڑھوں کی روایت نہیں لی جاتی ہے اور کوئی لے تو عیب شمار کیا جائے گا۔ امام مالک کی اس احتیاط، تمیز اور نقد کا یہ اثر ہوا کہ امام مالک جس شیخ سے روایت کرتے تھے، وہ ثقاہت وعدالت، حفظ واتقان میں علامت سمجھا جاتا تھا، یحیٰ بن معین جو امام جرح وتعدیل ہیں فرماتے ہیں ہم لوگ امام کے آگے کیا ہیں؟ ہم لوگ تو امام مالک کے نقش قدم پر چلتے ہیں جب کسی شیخ کا نام آتا ہے تو دیکھتے ہیں، کہ امام مالک نے اس سے حدیث لی ہے یا نہیں؟ اگر نہیں لی ہے تو چھوڑ دیتے ہیں، امام احمد بن حنبل سے کسی نے ایک راوی کی نسبت پوچھا تو انہوں نے فرمایا، میرے نزدیک وہ اچھا ہے، کیوں کہ امام مالک نے اس سے روایت کیا ہے۔

قوت حفظ وضبط

امام مالک فطرتاً حفظ وضبط کی اعلیٰ صلاحیت سے مالا مال تھے، جو اخذ حدیث اور روایت حدیث کے لیے بنیادی وصف ہے وہ خود فرمایا کرتے تھے، کہ کوئی چیز میرے خزانہ دماغ میں آنے کے بعد خود سے نہ نکلی اور دوسروں کو بھی اس خصوصیت کا اعتراف تھا۔ ابو قلابہ کہتے ہیں ''کان مالك احفظ اهل زمانه' ایک بار امام مالک اپنے استاذ ربیعہ رائی کے ساتھ محمد ابن شہاب زہری کی مجلس درس میں حاضر ہوئے امام زہری نے اس دن چالیس سے زیادہ حدیثیں املا کرائیں دوسرے دن پھر مجلس منعقد ہوئی تو امام مالک اپنے استاذ ربیعہ کے ساتھ پھر حاضر ہوئے امام زہری نے کہا کتاب لاؤ میں اس سے بیان کروں کل جو میں نے بیان کیا اس سے تم کو کیا فائدہ ہوا، ربیعہ رائی نے کہا اس مجلس میں ایک شخص ہے جو کل کی تمام حدیثیں زبانی سنا دے گا، زہری نے پوچھا، وہ کون ہے؟ ربیعہ نے کہا، ابن ابی عامر امام زہری نے اشارہ کیا کہ سناؤ امام صاحب فرماتے ہیں کہ چالیس حدیثیں میں نے سنا دیں، امام زہری نے اظہار تعجب کرتے ہوئے فرمایا، کہ میرا خیال تھا کہ میرے سوا کسی کو یاد نہیں۔ (تزئین الممالک ص ۱۰)

محدثانہ عظمت

بے مثال قوت حافظہ اور پر خلوص جذبہ، تحصیل حدیث نے امام مالک کو حدیث نے امام مالک کو حدیث، سنت کا بحر زخار بنا دیا تھا۔

☆ یحییٰ بن معین:۔ "مالك امير المومنين فى الحديث" امام مالک امیر المومنین فی الحدیث تھے۔

☆ عبدالرحمٰن بن مہدی:۔ روئے زمین پر مالک سے بڑھ کر حدیث نبوی کا کوئی امانت دار نہیں۔

ائمة الحديث الذين يقتدى بهم اربعة سفيان الثورى بالكوفة ومالك بالحجاز والاوزاعى بالشام وحمادبن زيد بالبصرة ووازن بين الثورى والاوزاعى فقال الثورى امام فى الحديث وليس بامام فى السنة والاوزاعى امام فى السنة وليس بامام فى الحديث ومالك امام فيهما ولعل امامة مالك فى الحديث والسنة سببها انه كان فقيها فكان يحفظ احاديث رسول الله صلى الله عليه وسلم ويعرف معها فتاوى الصحابة والتابعين لكيلا يشذ فى فتياه عن سلف الامة .(مالك ص ٧٦-٧٧)

وہ ائمہ حدیث جن کی اقتدا کی جاتی ہے، چار ہیں (۱) سفیان ثوری کوفہ میں (۲) مالک حجاز میں (۳) اوزاعی شام میں (۴) حماد بن زید بصرہ میں۔ ابن مہدی نے ثوری اور اوزاعی کے درمیان موازنہ کرتے ہوئے کہا، ثوری حدیث کے امام ہیں سنت کے امام نہیں اور اوزاعی امام سنت ہیں امام حدیث نہیں اور امام مالک حدیث وسنت دونوں میں امامت کا درجہ رکھتے ہیں، امام مالک حدیث وسنت دونوں کے امام اس لیے تھے، کہ وہ فقیہ تھے، وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثیں یاد کرتے اور اس کے ساتھ صحابہ

اور تابعین کے فتووں کو بھی جانتے تھے تا کہ ان کے فتوے ائمہ سلف کے فتووں سے جدا نہ ہوں۔

☆ **سفیان بن عیینہ:۔** ”رحم اللہ مالکا ما کان اشد انتقاءہ للرجال وقال فی تفضیلہ علی نفسہ مانحن عند مالک انما کنا نتبع آثار مالک وننظر الشیخ اذا کتب عنہ مالک کتبنا عنہ وکان یقول کان لایبلغ من الحدیث الا صحیحا ولایحدث الا عن ثقات الناس ومااری المدینۃ الاستخرب بعد موت مالک بن انس“ (الانتقاء لابن عبدالبر ص ۲۱)

اللہ تعالیٰ امام مالک پر رحم کرے وہ انتخاب شیوخ میں بہت سخت تھے اور سفیان ثوری نے امام مالک کو اپنی ذات پر فضیلت دیتے ہوئے کہا، مالک کے سامنے ہم کیا ہیں؟ ہم تو آثار مالک کی پیروی کرتے ہیں اور ہم جس شیخ کو دیکھتے کہ مالک اس سے حدیث لکھ رہے ہیں تو ہم بھی اس سے حدیث لکھتے اور سفیان کہا کرتے تھے وہ صرف صحیح حدیث ہی روایت کیا کرتے تھے اور ثقہ راویوں کی ہی حدیث بیان کرتے تھے، میرا خیال ہے، کہ امام مالک کی موت کے بعد مدینہ ویران ہو جائے گا۔

☆ **محدث ابن نہیک:۔** میں صحت حدیث کے اندر مالک پر کسی کو ترجیح نہیں دے سکتا۔

☆ **امام احمد بن حنبل:۔** آپ سے ایک شخص نے پوچھا کہ اگر کسی کی حدیث وہ زبانی یاد کرنی چاہے تو کس کی کرے؟ جواب دیا، کہ مالک بن انس کی۔

☆ **امام شافعی:۔** ”اذا ذکر العلماء فمالک النجم لولا مالک وابن عیینۃ لذہب علم الحجاز“ ”امام مالک علما کے نزدیک درخشندہ ستارے ہیں، اگر امام مالک اور سفیان بن عیینہ نہ ہوتے تو حجاز کا علم رخصت ہو جاتا۔ (تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۱۹۴)

☆ **احمد بن حنبل:۔** عبداللہ بن احمد کہتے ہیں، کہ میں نے اپنے والد سے پوچھا ”من

اثبت اصحاب زهری قال مالك اثبت فی كل شئ" زہری سے حدیث بیان کر نے میں ان کا کون سا تلمیذ زیادہ پختہ ہے فرمایا امام مالک ہر فن میں پختہ ہیں۔(ایضا)

☆ ابن وہب:۔"لو لا مالك و الليث لضللنا" اگر امام مالک اور لیث رہنمائی نہ کرتے تو ہم گم کردہ راہ ہو جاتے۔(ایضا)

☆ سفیان بن عیینہ:۔ جب انہیں امام مالک کی وفات کا علم ہوا تو گہرے رنج کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا" ماترك على ظهر الارض مثله' امام مالک نے روئے زمین پر اپنے مثل نہیں چھوڑا۔(ایضا)

☆ یحییٰ بن معین:"مالك احب الی فی نافع من ایوب و عبیدا لله' حضرت نافع سے حدیث بیان کرنے میں مجھے امام مالک ایوب اور عبید اللہ سے زیادہ محبوب ہیں۔(ایضا)

☆ امام نسائی:۔"ماعندی بعد التابعين انبل من مالك واجل منه و لا اوثق ولا آمن على الحديث منه ولا اقل رواية عن الضعفاء' میرے نزدیک تابعین کے بعد امام مالک سے زیادہ دانش مند اور ان سے بزرگ اور ان سے زیادہ ثقہ اور ان سے زیادہ حدیث میں مامون اور ضعیف راویوں سے کم روایت کرنے والا کوئی نہیں۔

(تہذیب التہذیب ج۱۰ص۸)

☆ عبدالرحمٰن بن مہدی:۔"ما رايت رجلا اعقل من مالك' میں نے کسی کو امام مالک سے بڑا عقل مند نہیں دیکھا۔(ایضا)

☆ شاہ ولی اللہ:۔ امام مالک ان لوگوں میں سے تھے، جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث میں سب سے زیادہ پختہ و ضابط تھے اور اسناد میں سب سے زیادہ ثقہ تھے۔

☆ ابن خلکان:۔"امام دار الهجرت واحد ائمة الاعلام' وہ امام دار الہجرت ائمہ اعلام میں تھے۔(وفیات الاعیان ج۴ص۳۰۰)

☆ اوزاعی:۔ امام مالک استاذ العلماء، عالم حجاز اور مفتی حرمین ہیں۔

(تذکرۃ المحدثین ص۱۰۳)

☆ امام شافعی:۔ ''مالك حجة الله تعالیٰ علی خلقه بعد التابعين' 'امام مالک تابعین کے بعد مخلوق پر اللہ کی حجت تھے۔ (تہذیب التہذیب ج ۱۰ ص ۷)

مؤطا امام مالک

یہ شہرہ آفاق کتاب امام دارالہجرت کا تصنیفی شاہکار اور تدوین حدیث کے سلسلے کی نہایت اہم زریں کڑی ہے، اس کتاب میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث، صحابہ وتابعین کے آثار اور فتوے فقہ کے ابواب پر مدون کیے گئے ہیں۔

صحابہ اور کبار تابعین کے دور میں اگرچہ حدیثیں بیشتر سینوں میں محفوظ تھیں اور ان کی باقاعدہ تدوین کا عمل شروع نہیں ہوا تھا، تاہم متفرق طور پر بعض صحابہ کرام اور تابعین عظام نے حدیثی صحیفے مرتب کیے تھے، چنانچہ حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص کی کتاب ''الصادقہ'' جو ان کے خاندان میں کئی نسلوں تک محفوظ رہی اور کتب حدیث میں عن عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ کی سند سے جو حدیثیں پائی جاتی ہیں، وہ ''الصادقہ'' کی ہی مرویات ہیں۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے احادیث نبوی کا ایک صحیفہ مرتب کیا تھا، جس میں دیت، قصاص اور مسلمانوں کے باہمی حقوق کے بارے میں حدیثیں تھیں۔

حضرت عبداللہ بن عباس، عمرو بن حزم، حضرت ابوہریرہ، حضرت جابر بن عبداللہ، حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت سمرہ بن جندب، حضرت عبداللہ بن عمر، حضرت عائشہ صدیقہ کے پاس حدیث، فرامین رسالت اور مکاتیب نبوی کے نوشتے تھے۔

تابعین میں ابن شہاب زہری، ہمام بن منبہ کے صحیفے خاص طور پر مشہور ہیں، لیکن پہلی صدی ہجری تک حدیثوں کی کتابت وتدوین کا یہ عمل انفرادی اور متفرق تھا، مگر حضرت عمر بن عبدالعزیز جب سریر آرائے خلافت ہوئے تو آپ نے اپنے حدود

خلافت میں عمال اور علما کو فرامین بھیجے، کہ تم لوگ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث وسنن کو جو لوگوں کے سینوں میں ہیں، سفینوں میں محفوظ کر لو۔ مدینہ کے گورنر قاضی ابوبکر بن حزم کو لکھا:

انظر ماکان من حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فاکتبہ فانی خفت دروس العلم وذھاب العلماء ولا یقبل الا حدیث النبی صلی اللہ علیہ وسلم ۔

(بخاری کتاب العلم باب کیف یقبض العلم)

احادیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو تلاش کرو اور جستجو کر کے لکھو کیوں کہ مجھے علم کے مٹنے اور علما کے فنا ہونے کا خوف ہے اور صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث ہی قبول کی جائے۔

حافظ ابونعیم نے تاریخ اصفہان میں تحریر فرمایا ہے:

ان عمر بن عبدالعزیز کتب الی اھل الآفاق انظروا حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فاجمعوہ ۔

(الحدیث والمحدثون ص ۱۳۸)

حضرت عمر بن عبدالعزیز نے تمام آفاق اسلامی میں یہ حکم نامہ لکھا تھا، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کو دیکھ بھال کر جمع کرو۔

تدوین حدیث کی تاریخ میں یہ پہلی اہم کوشش تھی، جو حکومت کی سطح پر کی گئی اور حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ نے حدیثوں کے دفاتر نقل کرا کر تمام بلاد اسلامی میں ارسال فرمائے۔ چنانچہ حافظ عبدالبر اندلسی اپنی کتاب جامع بیان العلم میں سعد بن ابراہیم کی روایت نقل کرتے ہیں:

امرنا عمر بن عبدالعزیز بجمع السنن فکتبناھا دفترا دفترا وبعث الی کل ارض لہ سلطان دفترا ۔

(جامع بیان العلم ج ا ص ۷۸)

ہمیں عمر بن عبدالعزیز نے حدیث جمع کرنے کا حکم دیا تو ہم نے الگ الگ دفتروں میں ان کو لکھا تو خلیفہ نے ہر علاقہ میں جس میں آپ کا نائب تھا ایک ایک دفتر بھیجا۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز کے احکام و فرامین نے تدوین حدیث کی جو منظم حرکت عالم اسلام میں پیدا کی، اس کے نتیجہ میں احادیث رسول کے سیکڑوں نسخے مرتب و مدون ہوگئے اور آئندہ کے لیے تدوین حدیث کی راہیں ہموار ہوگئیں، جن پر چل کر دوسری صدی میں تابعین، تبع تابعین اور ائمہ محدثین نے مختلف بلاد وامصار میں احادیث کی جمع وتدوین کا اہم کام کیا۔

۱۳۲ھ میں عالم اسلام میں عظیم سیاسی انقلاب رونما ہوا، زمام اقتدار امویوں کے ہاتھ سے نکل کر عباسیوں کے قبضہ میں آئی اور علمی ماحول میں بھی خوش گوار انقلاب آیا، عباسیوں کا عہد خلافت ابتدا ہی سے علوم وفنون کی اشاعت کا موزوں اور سازگار عہد تھا۔ علم حدیث نے بھی اس عہد میں خاص طور سے ترقی کی۔ محمد ابوزہو لکھتے ہیں:

بدأ التدوين في اواخر عهد بني امية على ماذكرنا ولكن لم يظهر شانه تمام الظهور الا في خلافة بني العباس حول منتصف القرن الثاني (الحديث والمحدثون ص ۲۴۵)

تدوین حدیث کی ابتدا آخر عہد اموی میں ہوئی، لیکن اس کی شان کا کامل ظہور عہد عباسی میں تقریباً دوسری صدی کے نصف میں ہوا۔

اس دور کی تدوینی سرگرمیوں اور کتب حدیث کی خصوصیات کی جانب اشارہ کرتے ہوئے علامہ محمد الخضری لکھتے ہیں:

حدیث کے لیے یہ دور بہترین دور تھا، کیوں کہ اس میں رواۃ حدیث نے اس کی تصنیف وتدوین کی ضرورت محسوس کی اور اس کی تصنیف کے یہ معنی تھے، کہ ایک ہی قسم کی حدیثیں مثلاً نماز اور روزہ وغیرہ کی حدیثوں کو باہم ایک ہی مسئلہ میں جوڑ دیا جائے، یہ

خیال تمام اسلامی شہروں میں قریب قریب ایک ہی زمانہ میں پیدا ہوا، یہاں تک کہ یہ معلوم نہیں ہوتا کہ اس کے تقدم کا شرف کس کو حاصل ہے اوران کتابوں میں حدیث جیسا کہ ہم کو موطا امام مالک میں نظر آتا ہے صحابہ وتابعین کے اقوال کے ساتھ مخلوط تھی۔

(تاریخ فقہ اسلامی ص ۲۵۴)

اس دور میں احادیث وسنت کا ذخیرہ پوری دنیائے اسلام میں جہاں جہاں صحابہ اور تابعین نے قیام فرمایا منتشر ہوگیا اس لیے تدوین حدیث کی تحریک کا اثر جن بلا دوامصار میں ہوا وہاں کے محدثین نے زیادہ تر اپنے شہراور اس سے متعلق مقامات میں پھیلی ہوئی معلومات کو اپنے ذوق ووجدان کے مطابق کتابوں میں جمع کیا اس عہد کے حدیث وسنت کے مدونین کے اسماذیل میں درج کیے جاتے ہیں:

مکہ مکرمہ:۔ ابن جریج م ۱۵۰ھ

مدینہ منورہ:۔ ابن اسحاق م ۱۵۱ھ، امام مالک ۱۷۹ھ، ابن ابی ذئب ۱۵۹ھ

بصرہ:۔ ربیع بن صبیح بصری ۱۶۰ھ، سعد بن ابی عروبہ ۱۵۶ھ، حماد بن سلمہ ۱۶۷ھ

کوفہ:۔ سفیان ثوری ۱۶۱ھ، امام اعظم ابوحنیفہ ۱۵۰ھ

شام:۔ امام اوزاعی ۱۵۶ھ

واسط:۔ ہشیم بن بشیر ۱۳۸ھ

یمن:۔ معمر بن راشد ۱۵۳ھ

رے:۔ جریر بن عبدالحمید ۱۸۸ھ

خراسان:۔ عبداللہ بن مبارک ۱۸۱ھ

بغداد:۔ محمد بن حسن شیبانی ۱۸۹ھ، قاضی ابو یوسف ۱۸۲ھ

مصر:۔ امام شافعی ۲۰۴ھ

سوال پیدا ہوتا ہے، کہ اس عہد کی تصانیف کیا ہوئیں، ان میں سے بہت تھوڑی کتابیں نقل ہوکر ہم تک پہنچ سکیں۔ ممکن ہے کہ تصنیف وتدوین کے تدریجی

ارتقا کی جو روایت چلی آ رہی ہے، ان تصانیف کے نایاب ہونے کا سبب بن گئی ہو اس میں چنداں مضائقہ بھی نہیں، اس لیے کہ جو احادیث زہری و دیگر محدثین کی تصانیف میں موجود تھیں وہ اگلے ادوار میں اشاعت پذیر ہونے والی کتب حدیث میں بھی موجود ہیں۔ البتہ ان کی ترتیب وتہذیب کا انداز جداگانہ ہے۔

لیکن متذکرہ بالا محدثین کی کتابوں میں مؤطا امام مالک، مسند امام شافعی، کتاب الآثار محمد بن حسن شیبانی آج بھی ہماری دسترس میں ہیں اور ان میں سب سے اہم امام دارالہجرت کی مؤطا ہے۔ امام مالک نے کتاب خلیفہ منصور عباسی کی خواہش پر لکھی، اس نے امام مالک سے درخواست کی تھی، کہ صحیح احادیث ایک کتاب میں درج کر دی جائیں، امام صاحب نے اپنی اس کتاب کا نام مؤطا رکھا مؤطا کا معنی پامال اور ہموار راستہ کے ہیں، کتاب کی وجہ تسمیہ یہ بیان کی جاتی ہے، کہ امام مالک نے کتاب تصنیف فرما کر اپنے شیوخ واساتذہ کی بارگاہوں میں پیش کی "فواطئوا علیہ" تو انہوں نے اس کی موافقت کی، جس کی بنا پر امام مالک نے کتاب کا نام "مؤطا" تجویز کیا۔ امام مالک خود فرماتے ہیں:

عرضت کتبی ھذا علی سبعین فقیھا من فقھاء المدینة فکلھم واطانی علیه فسمیته المؤطا۔ (الحدیث والمحدثون ص ۲۴۶)

میں نے یہ کتاب مدینہ کے ستر فقہا کو دکھائی، سب نے میری تائید کی، اس لیے میں نے اس کا نام "مؤطا" رکھا۔

چوں کہ مدینہ منورہ علوم نبویہ کا مخزن ہے، اکابر صحابہ واجلہ تابعین اس شہر مبارک میں سکونت گزیں تھے اور ان کے علوم وفنون کا سرچشمہ یہی شہر مقدس تھا، چنانچہ امام مالک نے انہیں اساطین حدیث کی مرویات اور ان کے فتووں کو پوری تحقیق اور معیار نقد ونظر پر پرکھ کر اپنی کتاب میں جمع کیا، اس بنا پر یہ صحیفہ درحقیقت صحیح، موثق اور کامل احکام اسلامیہ کا مجموعہ ہے۔

مؤطا میں شامل احادیث کی تعداد میں جو اختلاف پایا جاتا ہے، اس کی وجہ مؤطا کے نسخہ جات اور اس کی روایت کرنے والوں کا تنوع اور اختلاف ہے۔ احادیث شمار

کرنے والوں کو جو نسخہ ہاتھ آیا اسی کے پیش نظر انہوں نے احادیث مندرجہ کی تعداد بتائی۔ امام سیوطی اپنی کتاب تدریب الراوی میں حافظ صلاح الدین علائی کا یہ قول نقل کرتے ہیں:

امام مالک سے متعدد لوگوں نے مؤطا روایت کی ہے، ان کی روایات میں تقدیم وتاخیر اور کمی بیشی پر مشتمل بڑا اختلاف پایا جاتا ہے، مؤطا کا جو نسخہ بروایت ابن مصعب منقول ہے، وہ بہت زیادہ اضافہ پر مشتمل ہے۔ ابن حزم کہتے ہیں کہ ابن مصعب کے نسخہ میں ایک صد احادیث زائد ہیں، جو دوسرے نسخہ جات میں نہیں ہیں، اسی طرح محمد بن حسن کے نسخہ میں ایک سو پچھتر احادیث زائد ہیں، جو ایسی سند کے ساتھ مروی ہیں، جس میں امام مالک شامل نہیں، ان میں تیرہ احادیث امام ابوحنیفہ سے چار قاضی ابو یوسف سے اور باقی دوسروں سے منقول ہیں۔ (تدریب الراوی ص۳۲،)

علما کا قول ہے کہ امام مالک نے مؤطا کی ترتیب وتہذیب میں چالیس سال صرف کیے ہیں، ابتدا میں مؤطا کے اندر دس ہزار حدیثیں تھیں، مگر بار بار کی تنقیح وتہذیب کے دوران امام صاحب کے خامہ تنقید وصحت پسند نے آٹھ ہزار حدیثیں خارج کردیں۔ بقول ابوبکر ابہری آخر میں ایک ہزار سات سو بیس (۱۷۲۰) حدیثیں رہ گئیں، جن میں سے مسند اور مرفوع چھ سو (۶۰۰) ہیں مرسل دو سو بائیس (۲۲۲) موقوف چھ سو تیرہ (۶۱۳) تابعین کے اقوال وفتاوی دو سو پچاسی (۲۸۵) ہیں۔

(الحدیث والمحدثون ص۲۴۹)

امام جلال الدین سیوطی نے اپنی شرح مؤطا کے مقدمہ میں امام اوزاعی کا یہ قول نقل کیا ہے:

عرضنا علی مالك المؤطا فی اربعین یوما فقال كتاب الفته فی اربعین سنة اخذتموه فی اربعین یوما ما اقل ما تفقهون ۔(الحدیث والمحدثون ص ۲۴۶)

ہم نے امام مالک کو کتاب مؤطا چالیس دنوں میں سنائی، تو فرمایا، جس کتاب کو میں نے چالیس سال میں مرتب کیا تھا، تم نے چالیس دنوں میں پڑھ لی۔ تم نے اس کے مطالب و مندرجات کس قدر کم سمجھے ہیں۔

مؤطا کے اندر امام مالک کا طرز ترتیب یہ ہے، کہ باب کے شروع میں جو احادیث، اس کے متعلق وارد ہوئی ہیں، وہ بیان کر دیتے ہیں پھر صحابہ و تابعین کے اقوال و آثار ذکر کرتے ہیں، یہ صحابہ و تابعین اکثر و بیشتر اہل مدینہ میں سے ہوتے ہیں، امام مالک شاذ و نادر ہی اہل مدینہ کے سوا کسی اور سے روایت کرتے ہیں، جس کی وجہ یہ ہے، کہ آپ سفر حج کے علاوہ مدینہ منورہ سے باہر تشریف نہیں لے گئے، بعض اوقات اہل مدینہ کے تعامل پر بھی روشنی ڈالتے ہیں، کبھی کبھی حدیث کے بعض مشکل الفاظ یا جملوں کی شرح و تفسیر بھی فرماتے ہیں۔ (ایضا)

> یعد المؤطا اول مؤلف ثابت النسبة من غیر شك ذاع وانتشر فی الاسلام وتناقلته الاجیال جیلا بعد جیل الی یومنا هذا وهو ثابت النسبة الی الامام مالك رضی الله عنه وهو یعد الاول فی التالیف فی الفقه والحدیث معا۔

(مالک ص ۱۸۱)

مؤطا اس لحاظ سے پہلی تصنیف ہے، کہ اس کی نسبت امام مالک کی طرف بلا ریب ثابت ہے اور یہ کتاب بلاد اسلامی میں خوب پھیلی اور منتشر ہوئی، لوگ اسے نسلا بعد نسل آج تک نقل کرتے چلے آرہے ہیں، یہ امام مالک کی طرف ثابت النسبت ہے اور حدیث وفقہ میں تالیف ہونے والی یہ پہلی کتاب شمار کی جاتی ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی لکھتے ہیں:

تلاش کے بعد پہلے طبقہ کی صرف تین کتابیں ہیں (۱) مؤطا امام مالک

(۲) صحیح بخاری (۳) صحیح مسلم۔ امام شافعی نے فرمایا کہ کتاب اللہ کے بعد صحیح ترین کتاب مؤطا امام مالک ہے اور تمام محدثین کا اس پر اتفاق ہے، کہ امام مالک اور ان کے موافقین کی رائے کے مطابق مؤطا کی تمام احادیث صحیح ہیں اور غیر موافقین کی رائے کے مطابق اس میں کوئی ایسی مرسل اور منقطع نہیں، کہ جس کی سند دوسرے طرق کے ذریعہ متصل نہ ہوگئی ہو۔ اس لیے یقیناً یہ اس لحاظ سے صحیح ہے۔

امام مالک کے زمانہ میں کثرت سے مؤطات لکھی گئیں، جن میں مؤطا کی احادیث کی تخریج کی گئی اور منقطع احادیث کو منقطع بتایا گیا مثلاً ابن ابی ذئب، ابن عیینہ، ثوری، معمر وغیرہ کی کتابیں ہیں، جن کے اساتذہ اور امام مالک کے اساتذہ مشترک تھے۔

نیز امام مالک سے ایک ہزار سے زیادہ آدمیوں نے روایت کیا ہے، دور دور کے علاقوں سے لوگوں نے امام مالک سے علم حاصل کرنے کے لیے، اونٹوں پر سفر کیا، جیسا کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیث میں پیشین گوئی بھی فرمائی، ان میں بڑے بڑے فقہا بھی ہیں، جیسے کہ امام شافعی، محمد بن حسن، ابن وہب، ابن قاسم وغیرہ اور کبار محدثین بھی ہیں جیسے کہ یحییٰ بن سعید قطان، عبدالرحمٰن بن مہدی اور عبدالرزاق وغیرہ۔

ان میں بادشاہ اور حکام بھی ہیں، جیسے کہ رشید اور اس کے دونوں بیٹے، یہ کتاب امام مالک کے زمانہ میں ہی کافی شہرت حاصل کر چکی تھی، حتیٰ کہ تمام دیار اسلام میں اس کی شہرت ہوگئی، پھر ان کے بعد ہر زمانہ میں اس کی شہرت بڑھتی رہی، اس کی طرف التفات زیادہ ہوتا رہا، فقہائے امصار حتیٰ کہ اہل عراق نے بھی بعض امور میں اس کتاب کو بنیاد قرار دیا، علمائے حدیث ہمیشہ اس کتاب کی تخریج کرتے رہے، اس کے اشکال کو منضبط کرتے رہے، اس کی فقہ سے بحث کرتے رہے اور اس کے رجال کی تحقیق کرتے رہے کہ جس کی انتہا ہوگئی اور اس کے بعد غور کا کوئی حصہ باقی نہ رہا۔

(حجۃ اللہ البالغہ ج ۱ ص ۳۲۲، ۳۲۱)

اہمیت مؤطا

امام مالک نے جس وقت سے مؤطا تالیف فرمائی علما وفقہا دور دراز کا سفر کر کے مدینہ آتے اور امام دار الہجرت کی بارگاہ عالی میں مؤطا کا درس لیتے، یہاں تک کہ ایک ہزار سے زائد محدثین وفقہا ایسے ہیں، جنہوں نے براہ راست امام دار الہجرت سے مؤطا کا سماع کیا اور ان سے حدیثیں روایت کیں، گویا امام مالک حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کے مصداق تھے:

یوشك ان یضرب الناس اکباد الابل فی طلب العلم فمایجدون اعلم من عالم المدینة. (جامع الاصول ج۹ص۲۴۱)
قال عبدالرزاق هو مالك بن انس.

وہ زمانہ کچھ دور نہیں جب لوگ سوختہ جگر اونٹوں پر سوار ہو کر علم کی تلاش کے لیے نکلیں گے اور مدینہ کے عالم سے بڑھ کر کسی کو نہ پائیں گے۔

راوی حدیث عبدالرزاق کہتے ہیں کہ اس حدیث میں عالم مدینہ سے مراد امام مالک ہیں۔

مؤطا اپنے مؤلف امام مالک کی حیات ہی میں حد درجہ شہرت وقبول عام کی سند حاصل کر چکی تھی۔ چنانچہ تمام بلاد وامصار اور دور ونزدیک کے رہنے والے اس کی جانب متوجہ ہو گئے تھے، زمانہ جوں جوں آگے بڑھتا گیا مؤطا کی شہرت وقبولیت میں اضافہ ہوتا چلا گیا۔

علما ومحدثین کی قدر دانی کا یہ عالم تھا، کہ کوئی اس کی احادیث کی تخریج کرتا اور کوئی اس کے متابعات وشواہد تلاش کرتا، بعض علما نے اس کے مشکل الفاظ کی شرح لکھی اور ان کو ضبط کیا، بعض نے اس کے فقہی مباحث کو موضوع سخن بنایا، دیگر علما نے اس کے رجال کے بارے میں داد تحقیق دی، دوسری طرف خلفا اور سلاطین مؤطا کی قدر شناسی کا حق ادا کرتے رہے۔

ابو نعیم حلیۃ الاولیا میں امام مالک سے نقل کرتے ہیں:

شاورنی هارون الرشید ان یعلق المؤطا فی الکعبة ویحمل الناس علی مافیه فقلت لاتفعل فان اصحاب رسول الله صلی الله علیه وسلم اختلفوا فی الفروع وتفرقوا فی البلدان وکل مصیب فقال وفقك الله یا اباعبدالله. (الحدیث والمحدثون ص ۲۵۳)

خلیفہ ہارون رشید نے مجھ سے مشورہ کیا، کہ مؤطا کو کعبہ میں آویزاں کردیا جائے اور لوگوں کو مامور کیا جائے کہ اس کی پیروی کریں، میں نے کہا، کہ ایسا نہ کیجیے، اس لیے کہ اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مختلف شہروں میں بس گئے تھے، اور وہ دین کے فروعی مسائل میں مختلف الرای تھے اور اپنی اپنی جگہ سب درست ہی کہتے تھے، ہارون رشید کہنے لگا ابو عبداللہ! خداوند کریم آپ کو توفیق عطا فرمائے۔

قاضی فاضل نے اپنے بعض خطوط میں لکھا ہے:

مااعلم ان لملك رحلة فی طلب العلم الا للرشید فانه رحل بولدیه الامین والمامون لسماع المؤطا علی مالك وکان اصل المؤطا بسماع الرشید بخزانة المصریین ثم رحل لسماعه صلاح الدین الایوبی الی الاسکندریه فسمعه علی ابن طاهر بن عوف. (حجۃ اللہ البالغہ ج ا ص ۱۳۳)

مجھے نہیں معلوم کہ کوئی بادشاہ کبھی علم کی تلاش میں نکلا سوائے ہارون رشید کے، خلیفہ ہارون رشید اپنے دونوں بیٹوں امین و مامون کو لے کر مؤطا سننے کے لیے امام مالک کی خدمت میں حاضر ہوا تھا، مؤطا کے جس نسخے سے ہارون نے امام مالک سے سماع کیا تھا، وہ مصر کے دارالکتب میں موجود تھا۔ اسی طرح سلطان صلاح الدین ایوبی علی بن طاہر بن عوف سے مؤطا کا

درس لینے کے لیے اسکندریہ حاضر ہوئے تھے۔

امام مالک احادیث نبویہ کی سند اور متن میں غور وفکر کے عادی اور اس کی نقل وروایت میں حددرجہ محتاط واقع ہوئے تھے، ائمہ محدثین اس حقیقت کا اعتراف کر چکے ہیں، چوں کہ مؤطا کی تدوین وترتیب میں چالیس سال کا طویل عرصہ بسر ہوا اور پوری تحقیق وتفتیش، دقت نظر کے ساتھ حدیثوں کا انتخاب عمل میں آیا، اس لیے یہ کتاب نہایت بلند پایہ اور اپنے باب میں عدیم النظیر ہے۔سلف وخلف کے سبھی علما بیان کر چکے ہیں، کہ مؤطا میں مندرجہ تمام احادیث صحیح ہیں، اسی طرح اس کی جملہ اسانید متصل ہیں۔

علامہ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں:

امام مالک کی کتاب ان کے اور ان کے مقلدین کے نزدیک صحیح ہے اور ان کے اس قاعدہ کے مطابق ہے، کہ وہ مرسل ومنقطع احادیث سے احتجاج کرنے کے قائل ہیں۔

حافظ ابن حجر عسقلانی نے یہاں اپنی رائے کا اظہار کیا ہے، دیگر علما کا زاویہ نگاہ یہ ہے، کہ مؤطا میں جو مرسل ومنقطع احادیث پائی جاتی ہیں، دوسرے طرق سے ان کا متصل ہونا ثابت ہو چکا ہے، اس طرح مؤطا کی تمام احادیث صحیح ہیں، امام مالک کی زندگی ہی میں علما نے احادیث مؤطا کی تخریج کا کام شروع کر دیا تھا اور جو احادیث اس میں مرسل یا منقطع ہیں، ان کا متصل ہونا بھی ثابت کیا تھا، ان میں وہ اکابر علما بھی شامل ہیں، جنہوں نے امام مالک کے شیوخ سے بذات خود استفادہ کیا تھا، مثلاً سفیان ثوری، سفیان بن عیینہ وابن ابی ذئب ودیگر علما (حجۃ اللہ البالغہ ج ۱ص ۱۳۳)

پانچویں صدی ہجری کے جید عالم ابن عبدالبر نے اس ضمن میں ایک جامع کتاب مرتب کی ہے، اس میں موصوف نے ان تمام احادیث کا متصل ہونا ثابت کیا ہے، جن کو امام مالک نے بصورت مرسل ومنقطع ومعضل روایت کیا ہے، وہ کہتے ہیں، مؤطا میں جہاں بھی امام مالک بلـــغـــنـــی (مجھے یہ حدیث

پہنچی) یا الثقة (ایک ثقہ راوی سے روایت ہے) کہتے ہیں اور اس حدیث کو متصلا روایت نہیں کرتے، مؤطا میں ایسی کل اکسٹھ (۶۱) احادیث ہیں، یہ تمام احادیث امام مالک کے علاوہ دوسری اسانید سے متصلا مذکور ہیں، البتہ چار احادیث ایسی ہیں، جن کا متصل ہونا ثابت نہیں، وہ مندرجہ ذیل ہیں۔

(۱) انی لا انسی یہ حدیث باب العمل فی السہو میں مذکور ہے۔

(۲) اری اعمار الناس قبلہ یہ حدیث باب ماجاء فی لیلۃ القدر کتاب الاعتکاف میں ہے۔

(۳) آخر ما اوصانی بہ رسول اللہ یہ حدیث کتاب الجامع میں مرقوم ہے۔

(۴) اذا نشأت بحریة ثم تشائمت یہ حدیث باب الاستمطار بالنجوم میں مذکور ہے۔

مگر صحیح یہ ہے، کہ ان مذکورۃ الصدر احادیث اربعہ کا متصل ہونا ثابت ہے، ابن عبدالبر پہلی حدیث کے بارے میں فرماتے ہیں، کہ وہ معنی کے اعتبار سے صحیح ہے، سفیان کا قول ہے، کہ جب امام مالک "بلغنی" کہتے ہیں تو اس کو اسناد صحیح پر محمول کرنا چاہیے، امام جلال الدین سیوطی اپنی کتاب تنویر الحوالک میں دوسری حدیث کے بارے میں لکھتے ہیں، کہ اس مرسل کے شواہد موجود ہیں، جو معنوی اعتبار سے اس کی تائید کرتے ہیں، پھر سیوطی نے وہ شواہد ذکر کیے ہیں، باقی رہی تیسری حدیث تو ترمذی میں اس کی ہم معنی حدیث موجود ہے، چوتھی حدیث کا شاہد امام شافعی نے اپنی کتاب "الام" میں اپنی سند کے ساتھ ذکر کیا ہے۔ اس سند میں امام مالک نہیں ہیں۔

علما نے ان احادیث اربعہ کو بحث و تمحیص کا مرکز بنایا اور ان کا متصل ہونا ثابت کیا ہے، حافظ ابن صلاح نے ایک مستقل تصنیف میں ان کو موصول قرار دیا ہے، اسی طرح حافظ بن مرزوق المعروف بالخطیب نے احادیث اربعہ کی اسانید کو ایک جداگانہ کتاب

میں جمع کیا ہے، حافظ ابن ابی الدنیا نے اپنی کتاب اقلید التقلید میں ان میں سے دو احادیث کو مسند ٹھہرایا ہے، سفیان بن عیینہ کے مندرجہ ذیل قول سے احادیث اربعہ کا دیگر احادیث کی طرح متصل ہونا ثابت ہوتا ہے۔ فرماتے ہیں:

امام مالک صرف اس حدیث کو روایت کرتے ہیں جو صحیح ہو آپ ہمیشہ ثقہ راویوں سے حدیثیں روایت کرتے تھے۔ (اضاءۃ المسالک ص ۶۳)

علمائے سلف وخلف کی مندرجہ بالا شہادتوں کی بنا پر ہم تسلیم کرتے ہیں کہ موطا میں مندرج تمام احادیث صحیح اور متصل ہیں۔ امام مالک جیسے جلیل القدر محدث ونقاد اور امام مدینہ عالم اہل حجاز سے اس کے سوا کسی اور بات کی توقع نہیں کی جاسکتی تھی۔

موطا کے متداول نسخے

موطا کے نسخہ جات کی تعداد یوں تو بہت ہے، مگر ان میں سے تیس نسخے مشہور ہیں، ان نسخہ جات میں کمی بیشی اور تقدیم وتاخیر کے اعتبار سے بڑا فرق پایا جاتا ہے، علامہ جلال الدین سیوطی ذکر کرتے ہیں، کہ راویوں سے منقول چودہ نسخے بہت مشہور ہیں، ان چودہ نسخہ جات میں مندرجہ ذیل نسخے شامل ہیں۔

(۱) یحییٰ بن یحییٰ لیثی اندلسی کا نسخہ، یحییٰ نے پہلے عبدالرحمٰن سے موطا سنی، جو شبطون کے نام سے معروف تھے، پھر دو دفعہ امام مالک کی خدمت میں حاضر ہوئے اور موطا سنی، مگر کتاب الاعتکاف کے آخر کے تین ابواب نہ سن سکے۔

(۲) مدینہ کے قاضی ابن مصعب احمد بن ابی بکر کا نسخہ، علما کا کہنا ہے، کہ ان کا مرتب کردہ نسخہ سب سے آخر میں امام مالک کو سنایا گیا تھا۔ موطا کے اس نسخے میں دیگر نسخہ جات سے ایک صد احادیث زائد ہیں، جو دوسروں کے نسخے میں نہیں ہیں۔

(۳) امام ابوحنیفہ کے شاگرد رشید امام محمد بن حسن شیبانی کا نسخہ، یہ حدیث میں امام مالک کے ممتاز تلامذہ میں سے تھے، اس طرح فقہ میں ان کا شمار امام ابوحنیفہ کے

بہترین شاگردوں میں ہوتا ہے، ان کے نسخہ میں یحییٰ کے نسخہ کی نسبت بکثرت اضافے ہیں، یہ نسخہ ہندوایران میں طبع ہو چکا ہے اور وہاں اور حرمین میں بہت مشہور ہے۔

صاحب کشف الظنون رقم طراز ہیں:

ابوالقاسم محمد بن حسن شافعی فرماتے ہیں، کہ امام مالک سے مؤطا کے گیارہ نسخے منقول ہیں، یہ قریب المعنی ہیں، ان میں مندرجہ ذیل چار نسخے بہت مشہور ہیں۔

(۱) یحییٰ بن یحییٰ کا نسخہ (۲) مؤطا ابن بکیر (۳) ابن مصعب کا نسخہ (۴) مؤطا بروایت وہب (اضاءۃ المالک ص ۴۰، کشف الظنون ج ۲ ص ۳۷۰)

شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی نے بستان المحدثین میں مؤطا امام مالک کے متداول سولہ نسخوں کا اجمالی تعارف پیش کیا ہے۔

(۱) یحییٰ بن یحییٰ مصمودیؒ اندلسی م ۲۰۴ھ (۲) عبداللہ بن وہب ۱۹۷ھ (۳) عبداللہ بن مسلم ۲۲۱ھ (۴) ابن القاسم ۱۹۱ھ (۵) معن بن عیسیٰ ۱۹۸ھ (۶) عبداللہ بن یوسف (۷) یحییٰ بن بکیر ۲۳۱ھ (۸) سعید بن عفیر ۲۲۶ھ (۹) ابومصعب زہری ۲۴۲ھ (۱۰) مصعب بن عبداللہ زبیری (۱۱) محمد بن مبارک صوری (۱۲) سلیمان بردم ۲۲۴ھ (۱۳) یحییٰ بن یحییٰ تمیمی (۱۴) ابوحذیفہ سہمی ۲۵۹ھ (۱۵) سوید بن سعید ۲۴۰ھ (۱۶) محمد بن حسن شیبانی ۱۸۹ھ

امام یحییٰ بن یحییٰ مصمودی رضی اللہ عنہ ۱۵۲ھ صفر ۲۲۶ھ

ابومحمد یحییٰ بن یحییٰ بن کثیر وسلاس بن شملال لیثی اندلسی قرطبی مصمودی کا تعلق اندلس میں بربریوں کے ایک قبیلہ مصمود سے تھا، جس کی بنا پر مصمودی مشہور ہوئے۔

قدرت نے یحییٰ کو بے مثال حافظہ اور قوت ادراک کے ساتھ تحصیل علم کے ذوق سے مالا مال کیا تھا، انہوں نے کم سنی ہی سے تحصیل علم کا آغاز کر دیا اور سب سے پہلے یحییٰ بن نصر اندلسی سے حدیث کا سماع کیا، پھر طلب علم کے شوق میں کشاں کشاں مدینہ منورہ

پہنچے، جہاں امام مالک کا بحر بیکراں موجیں مار رہا تھا، جس کے گرد علم نبوت کے جرعہ خواروں کی بھیڑ جمع رہتی تھی، یحییٰ نے امام مالک کے چشمہ فیض سے خوب تشنگی بجھائی اور پوری مؤطا کا سماع کیا اور پھر مکہ جا کر سفیان بن عیینہ اور مصر میں لیث بن سعد، عبداللہ بن وہب، عبدالرحمٰن بن قاسم سے علم حاصل کیا۔ ان کے نامور اساتذہ کے اسمائے گرامی یہ ہیں:

امام مالک، زیاد بن عبداللہ، یحییٰ بن مضر، لیث بن سعد، سفیان بن عیینہ، عبداللہ بن وہب، عبدالرحمٰن بن قاسم، قاسم بن عبداللہ بن عمری، ابوضمرہ وغیرہم

(تہذیب التہذیب ج۱۱ص ۲۶۳)

وہ طلب علم میں اس درجہ منہمک رہتے، کہ کسی چیز کو آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھتے، خواہ وہ کتنی ہی اہم اور توجہ کو مبذول کرنے والی کیوں نہ ہو، ایک بار وہ امام مالک کے حلقہ درس میں بیٹھے ہوئے تھے کہ شور اٹھا ہاتھی آ گیا ہاتھی آ گیا، تمام شرکاے درس اٹھ کر ہاتھی دیکھنے چلے گئے، مگر یحییٰ اپنی جگہ سے نہ اٹھے امام مالک نے پوچھا:

مالك لا تخرج فتراه لانه لايكون بالاندلس ؟فقال انما جئت من بلدى لانظر اليك واتعلم من حديث وعلمك ولم اجئ لانظر الى الفيل ۔ (وفيات الاعيان ج ۳ ص ۲۷۵)

اندلس میں ہاتھی نہیں پایا جاتا پھر تم ہاتھی دیکھنے کیوں نہیں گئے؟ عرض کی، حضور! میں یہاں آپ کا فیض صحبت اٹھانے اور آپ کے علم اور اسوہ سے کچھ حاصل کرنے آیا ہوں، اس لیے نہیں آیا، کہ ہاتھیوں کو دیکھتا پھروں،

امام مالک کو ان کا یہ جواب بہت پسند آیا اور اس دن سے ان کو ''عاقل اہل اندلس'' کہنا شروع کر دیا۔

فضل وکمال

امام یحییٰ مصمودی نے اپنے وقت کے جلیل القدر مشائخ، محدثین اور فقہا کی

بارگاہوں سے کسب علم فرما کر اپنا دامن گونا گوں علمی جواہرات سے بھر لیا تھا، وہ حدیث، فقہ وفتویٰ اور دوسرے علوم وفنون میں کامل ہونے کے ساتھ ساتھ اعمال صالحہ اور اخلاق حسنہ کا مجسم پیکر تھے، ان کی جامعیت فضل وکمال کا اعتراف اکابر علمانے اس طرح کیا ہے۔

☆**ابن عماد حنبلی:۔** ''وکان اماما کثیرا لعلم کبیر القدر وافر الحرمۃ کامل العقل خیر النفس کثیر العبادۃ والعقل'' 'وہ (یحییٰ) کثیر العلم عظیم المرتبت اور نہایت ہی محترم وموقر امام تھے، ان کی عقل کامل تھی، نفس بہت نیک اور اچھا تھا، زیادہ عبادت کرنے والے تھے۔ (شذرات الذہب ج ۲ ص ۴۱)

☆**احمد بن حنبل:۔** ''لم یعط احد من اھل العلم بالاندلس منذ دخلھا الاسلام من الخطوۃ وعظم القدر وجلالۃ الذکر ماعطیہ یحییٰ بن یحییٰ'' 'جب سے اندلس میں اسلام داخل ہوا یہاں کے علما میں سے کسی کو وہ جاہ وجلال اور عظمت وبرتری حاصل نہیں ہوئی، جتنی یحییٰ بن یحییٰ (مصمودی) کو حاصل ہوئی۔

☆**ابن بشوال:۔** ''کان یحییٰ بن یحییٰ مجاب الدعوۃ وکان قد اخذ فی نفسہ وھیئتہ ومقعدہ ھیئۃ مالک'' 'یحییٰ بن یحییٰ مستجاب الدعوات تھے، وہ وضع قطع اور نشست وبرخاست کے طور طریق میں بالکل امام مالک معلوم ہوتے تھے۔ (ایضا)

☆**ابو ولید ابن قرضی:۔** ''کان امام وقتہ وواحد بلدہ'' 'حضرت یحییٰ امام وقت اور اپنے ملک کے یکتائے زمن تھے۔ (تہذیب ج ۱۱ ص ۲۶۳)

☆**ابن راہویہ:۔** ''مارایت مثل یحییٰ بن یحییٰ ولااظنہ رای مثل نفسہ'' 'میں نے یحییٰ بن یحییٰ جیسا کوئی آدمی نہیں دیکھا اور میرا خیال ہے کہ خود انہوں نے بھی اپنے جیسا کوئی آدمی نہیں دیکھا ہوگا۔ (تذکرہ ج ۲ ص ۴)

حدیث

امام یحییٰ کی کلاہ افتخار کا سب سے تابناک جوہر ان کی محدثانہ عظمت تھی، انہوں

نے امام مالک اور دوسرے اکابر محدثین سے حدیث کا سماع کیا تھا، جس کی بنیاد پر امام مالک کے اصحاب میں جو عظمت انہیں حاصل ہوئی، وہ کسی کے نصیب میں نہ آئی، ان کی کثرت حدیث اور علوم حدیث میں مہارت کا اعتراف ائمہ فن نے اس طرح کیا ہے۔

☆اسحاق بن راہویہ:۔"ظهر ليحيىٰ بن يحيىٰ نيف وعشرون الف حديث" امام یحیٰ کی بیان کردہ حدیثیں بیس ہزار سے زیادہ منظر عام پر آئی ہیں۔ (تذکرہ ج ۲ ص ۴)

☆حاکم:۔"هو امام عصره بلامدافعة" آپ یحیٰ بلانزاع (حدیث میں) اپنے وقت کے امام ہیں۔ (ایضا)

☆ذہلی:۔"لو اشاء لقلت هو راس المحدثين في الصدق" میں چاہوں تو کہہ سکتا ہوں وہ صداقت وامانت میں محدثین کے سردار ہیں۔ (ایضا)

☆حافظ ذہبی:۔"يحيىٰ بن يحيىٰ الامام الحافظ شيخ خراسان" امام یحیٰ بن یحیٰ نامور حافظ حدیث اور شیخ خراسان ہیں۔ (ایضا)

یحیٰ بن یحیٰ مصمودی کو ملک اسپین (مغرب) میں وہی علمی عظمت حاصل تھی، جو مشرق میں قاضی ابو یوسف کو حاصل تھی، مشرق میں حنفی قضاۃ کا تقرر قاضی ابو یوسف کے مشورہ سے ہوتا تھا اور اندلس میں فقہائے مالکیہ حضرت یحیٰ کی نشاندہی پر منصب قضا کے لیے منتخب کیے جاتے تھے، جس کی صراحت ابن حزم اندلسی نے ان الفاظ میں کی ہے:

مذهبان انتشرا في مبدأ امرهما بالرياسة والسلطان مذهب ابي حنيفة فانه لما ولي قضاء ابويوسف يعقوب صاحب ابي حنيفة كانت القضاة من قبله فكان لايولي قضاء البلدان من اقصى المشرق الى اقصى افريقيا الا اصحابه والمنتمين اليه والى مذهبه ومذهب مالك بن انس عندنا في بلاد اندلس فان يحيىٰ بن يحيىٰ كان مكينا عندالسلطان مقبول القول في

القضاة فكان لايلي قاض في اقطار بلادالاندلس الا بمشورته واختياره ولايشير الا باصحابه ومن كان على مذهبه ۔

(وفیات الاعیان ج ۳ ص ۲۷۵)

ریاست وسلطنت کی بنیاد پر دو مذہب آغاز امر ہی میں پھیل گئے نمبر (۱) امام ابوحنیفہ کا مذہب، جس کی وجہ یہ ہوئی کہ ان کے شاگرد رشید امام ابو یوسف یعقوب جب قاضی القضاۃ بنائے گئے تو وہی قاضیوں کو مقرر کرتے جو بلاد مشرق سے لیکر افریقہ تک حنفی فقہا ہی کو قاضی بناتے (جس کی بدولت فقہی حنفی کی اشاعت ہوتی) (۲) امام مالک کا مذہب اندلس میں اشاعت پذیر ہوا اس لیے کہ یحییٰ بن یحییٰ مصمودی (تلمیذ امام مالک) اندلس کے اندر بادشاہ کے نزدیک بڑی شان وعظمت کے حامل تھے قضاۃ کی تقرری میں سلطان آپ ہی کی بات کو۔۔۔سمجھتا اور بلاد اندلس میں قاضیوں کا تقرر آپ ہی کے مشورہ اور اختیار سے ہوتا اس سلسلے میں یحییٰ اپنے ہم مذہب فقہا کی تقرری کا مشورہ دیتے۔

فقہاے اندلس میں آپ کو اتنا بلند مقام حاصل تھا، کہ آپ کے خلاف لوگ لب کشائی کی جرأت نہیں کرتے تھے، اندلس کے بادشاہ عبدالرحمٰن بن حکم نے ماہ رمضان میں اپنی کنیز پر نظر ڈالی، اس کی محبت غالب آئی اور وہ اپنے نفس پر قابو نہ رکھ سکا، صحبت کا مرتکب ہو گیا بعد میں ندامت ہوئی تو فقہا کو حکم شرعی دریافت کرنے کے لیے طلب کیا جماعت فقہا میں یحییٰ بن یحییٰ بھی تھے، انہوں نے مسئلہ سن کر حکم دیا ''یکفر ذلك بصوم شهر متتابعين '' کفارے میں دو ماہ کے مسلسل روزے رکھے جائیں، جب یحییٰ نے فتویٰ دیا، تمام فقہا خاموش رہے جب بادشاہ کے دربار سے نکلے، انہوں نے عرض کیا، اے یحییٰ آپ نے امام مالک کے مذہب پر فتویٰ کیوں نہیں دیا؟ کیوں کہ وہ اس صورت میں عتق، اطعام اور صیام تینوں میں اختیار دیتے

ہیں، تو یحییٰ نے فرمایا اگر ان بادشاہوں پر یہ دروازہ کھول دیا جائے تو ان کے لیے آسان ہو جائے گا کہ روزانہ کسی باندی سے روزے کی حالت میں وطی کر بیٹھیں گے اور غلام آزاد کر دیں گے، اس بنا پر میں نے اس کے لیے سخت حکم تجویز کیا تا کہ اس کے لیے آئندہ وطی کی گنجائش باقی نہ رہے۔ (ایضا)

مؤطا امام مالک (نسخہ مصمودی) امام مالک کے سیکڑوں تلامذہ نے مؤطا کی نقل وروایت کی، مگر مؤطا کے قابل ذکر سولہ نسخے علمی دنیا میں متداول ومشہور ہوئے، جنمیں امام محمد بن حسن شیبانی کی مؤطا اور یحییٰ بن یحییٰ مصمودی کا نسخہ کئی زاویوں سے دوسرے نسخوں پر فوقیت رکھتا ہے۔

مصمودی کی مؤطا کو امام محمد کی مؤطا پر اس لیے فوقیت حاصل ہے، کہ انہوں نے مؤطا کی سماعت امام مالک کی زندگی کے آخری سال میں کی اور مؤطا کی تمام وکمال مرویات کو اپنی کتاب میں محفوظ کر لیا، اس طرح امام مصمودی کی مؤطا ہی پر مؤطا امام مالک کا اطلاق کیا جاتا ہے۔ اس طرح امام مصمودی کا سب سے بڑا علمی کارنامہ مؤطا امام مالک کی نقل وروایت ہے، اگرچہ بعض لوگوں نے مؤطا امام محمد کو مصمودی کی مؤطا پر فوقیت دی ہے، مگر دونوں کتابیں اپنی جداگانہ خصوصیات کی وجہ سے کافی اہمیت رکھتی ہیں۔

محدث زاہد الکوثری لکھتے ہیں:

اس دور میں مؤطا کی مشہور ترین روایت اہل مشرق میں امام محمد بن حسن کی روایت ہے اور اہل مغرب میں یحییٰ لیثی کی روایت۔ پہلی روایت کا امتیاز یہ ہے، کہ اس میں اہل عراق نے مؤطا میں مدونہ جن احادیث اہل حجاز کو لیا ہے اور جن کو دوسرے دلائل کی بنا پر جو امام محمد اپنی مؤطا میں لائے ہیں نہیں لیا ہے، ان کا بیان ہے اور یہ چیز ان لوگوں کے لیے نہایت مفید ہے، جو اہل مدینہ اور اہل عراق کے اجتہادی مسائل اور فریقین کے دلائل کا باہم موازنہ کرنا چاہتے ہیں اور دوسری روایت مؤطا کی تمام روایتوں میں اس حیثیت سے ممتاز ہے، کہ وہ تین ہزار کے قریب امام مالک کے ان اجتہادی مسائل پر

مشتمل ہے، جن کا تعلق فقہ کے مختلف ابواب سے ہے اور یہ دونوں روایتیں دنیا کے کتب خانوں میں شرقاً و غرباً نہایت کثرت سے موجود ہیں۔ (مقالات الکوثری ص۷۹، ۸۰)

آج دنیا کے اندر مؤطا کا جو نسخہ موجود ہے وہ یحییٰ مصمودی کا روایت کردہ نسخہ ہے۔

شروح مؤطا

متعدد علما نے مؤطا کی شرحیں لکھی ہیں، ان میں سے مندرجہ ذیل بہت مشہور ہیں۔

(۱) حافظ ابو عمر بن عبد البر قرطبی متوفی ۴۶۳ھ آپ نے مؤطا کی دو شرحیں لکھی ہیں، ایک کا نام التمهيد لما في المؤطا من المعاني والاسانيد ہے، اس کو امام مالک کے شیوخ کے اسما کے مطابق بترتیب حروف تہجی مرتب کیا ہے۔ ایسی کتاب اس سے پہلے نہیں لکھی گئی، ابن حزم کہتے ہیں، کہ فقہ الحدیث کے موضوع پر میرے علم میں اس جیسی کتاب اور کوئی نہیں اور اس سے بہتر کتاب کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

ابن عبد البر کی دوسری شرح کا نام كتاب الاستذكار في شرح مذاهب علماء الامصار ہے، یہ مؤطا کی بہترین شرح ہے۔ ابن عبد البر بہت لائق مصنف تھے۔

(۲) جلال الدین سیوطی م ۹۱۱ھ آپ کی شرح کا نام كشف المغطى في شرح المؤطا ہے، پھر موصوف نے اس کا اختصار تنوير الحوالك کے نام سے کیا ہے یہ کتاب مصر سے تین جلدوں میں شائع ہو چکی ہے۔

(۳) محمد بن عبد الباقی زرقانی مصری مالکی متوفی ۱۱۲۲ھ ان کی شرح متوسط ہے اور تین جلدوں میں ہے۔

(۴) مولانا عبدالحی بن محمد لکھنوی ہندی ولادت ۱۲۶۴ھ آپ کی شرح کا نام التعلیق الممجد علی مؤطا الامام محمد ہے، یہ شرح ہندو پاک میں طبع ہو چکی ہے۔

(۵) مولانا شاہ ولی اللہ دہلوی نے جن کا نام قطب الدین احمد بن عبدالرحیم ہے، مؤطا کی دو شرحیں تحریر کیں، آپ کا وصال ۱۱۷۶ھ ہے ایک شرح فارسی زبان میں لکھی اس کا نام المصفی ہے، یہ صرف احادیث و آثار کی شرح ہے، امام مالک کے اقوال اور بلاغات اس میں حذف کر دیے ہیں، اس شرح میں آپ نے مجتہدانہ انداز تحریر اختیار کیا ہے۔ دوسری شرح عربی میں ہے، اس کا نام المسوی ہے اس میں اختلاف مذاہب پر اکتفا کیا گیا ہے، کسی حد تک مشکل الفاظ کی تشریح بھی کی گئی ہے۔

(کشف الظنون ج ۲ ص ۳۰۷، مفتاح السنۃ ص ۲۷، الانتقاء ص ۵)

(۶) ابوالولید سلیمان الباجی المتوفی ۴۷۴ھ انہوں نے مؤطا کی تین شرحیں لکھی ہیں:

(۱) المنتقی (۲) الایماء (۳) الاستیفاء۔

(۷) شیخ زین الدین عمر حلبی نے الانتقاء تصنیف کی۔ (ابن عبدالبر کی تمہید کا اختصار)

(۸) ابن ابی صفرہ نے شرح مؤطا تصنیف کی۔

(۹) القاضی ابوعبداللہ بن الحاج نے بھی شرح مؤطا لکھی۔

(۱۰) ابوالولید بن العود نے بھی شرح مؤطا لکھی۔

(۱۱) ابوالقاسم بن الجد الکاتب نے بھی شرح مؤطا لکھی۔

(۱۲) ابوالحسن الاشبیلی نے بھی شرح مؤطا لکھی۔

(۱۳) ابوعمر الطلیطلی نے بھی شرح مؤطا لکھی۔

(۱۴) قاضی ابوبکر بن العربی المغربی المتوفی ۵۴۶ھ نے القبس نام سے شرح لکھی ہے۔

(۱۵) ابومحمد عبداللہ بن محمد بطلیموسی المتوفی ۵۲۱ھ نے المقتبس نامی شرح تصنیف کی۔

(١٦) ابوالولید بن صفار نے الموعب نام کی شرح لکھی۔

(١٧) یحیٰ بن مزین نے المستقصی شرح مؤطا لکھی۔

(١٨) محمد ابن زمینین نے شرح القرب تصنیف کی۔

(١٩) ابو بکر بن سابق الصقلی نے شرح المسالك لکھی۔

(٢٠) قاضی محمد بن سلیمان بن خلیفہ نے شرح مؤطا نامی شرح تصنیف کی۔

(٢١) سری زادہ حنفی مفتی مکہ نے شرح مؤطا لکھی۔ (مقدمہ مؤطا امام محمد از مولانا عبدالحی)

(٢٢) شیخ علی قاری حنفی نے بھی شرح مؤطا تصنیف کی۔ (ایضا)

(٢٣) شیخ الاسلام حنفی دہلوی ١٢١٥ھ نے ''المجلی'' نامی شرح مؤطا لکھی، جو نہایت محققانہ شرح ہے، خاص مصنف کا نسخہ خدا بخش لائبریری پٹنہ میں موجود ہے، پہلے صفحہ پر '' الفصل الکبیر '' مادہ تاریخ درج ہے۔

مختصرات مؤطا

مندرجہ ذیل علمائے کرام نے مؤطا کو مختصر کیا اور اس کا خلاصہ لکھا۔

(١) امام ابوسلیمان خطابی متوفی ٢٨٨ھ

(٢) امام ابوالولید الباجی متوفی ٤٧٤ھ

(٣) ابن رشیق القیر وانی متوفی ٤٥٦ھ

(٤) ابن عبدالبر متوفی ٤٦٣ھ ان کی کتاب کا نام الاقصی فی مسند المؤطاو مرسلہ ہے

(٥) ابوالقاسم عبدالرحمٰن الغافقی الجوہری التوفی ٣٨٥ھ ان کی مختصر چھ سو چھیاسٹھ مسند احادیث پر مشتمل ہے۔

(الرسالۃ المستطرفہ ص ١١، کشف الظنون ج ٢ ص ٣٧٠)

فقہ واجتہاد

امام مالک جلیل القدر محدث اور مایہ ناز فقیہ ومجتہد تھے، اللہ تبارک وتعالیٰ نے انہیں بے کراں قوت حفظ وضبط کے ساتھ ذہانت وطباعی، ملکہ، حقائق رسی اور قوت فقہ واجتہاد سے سرفراز فرمایا تھا۔ انہوں نے مدینہ منورہ کے عظیم فقہا سے یہ علم حاصل کیا تھا، تحصیل فقہ کے لیے حضرت ربیعہ رائی کی بارگاہ میں سب سے پہلے زانوے تلمذ تہہ کیا تھا، جن کے بارے میں امام صاحب خود کہا کرتے تھے:

ذهب حلاوة الفقه منذ مات ربيعة ۔ (تہذیب التہذیب ج۳ ص۲۴۴)

جب سے ربیعہ کی وفات ہوئی، علم فقہ کی چاشنی جاتی رہی۔

دوسرے شیخ حدیث وفقہ ابن شہاب زہری تھے، ان کے بارے میں مطرف بن عبداللہ امام صاحب کا یہ قول نقل کرتے ہیں:

ما ادركت بالمدينة فقيها محدثا غير واحد فقلت من هو فقال ابن شهاب الزهرى ۔ (طبقات ابن سعد ج۲ ص۳۸۹)

میں نے ایک شخص کے علاوہ مدینہ میں کوئی فقیہ، محدث نہیں پایا، میں نے پوچھا وہ کون ہیں؟ کہا کہ ابن شہاب زہری۔

امام صاحب نے فطری ذہانت، ذوق علم اور فقہ کی بصیرت، اجتہادی قوت کی بدولت سترہ سال کی عمر میں ہی دینی علوم وفنون میں کمال پیدا کرلیا تھا۔ اسی زمانے میں مدینہ منورہ کی ایک نیک خاتون نے وفات پائی، جب غسل دینے والی عورت اسے غسل دینے لگی، تو اس نیک بخت مردہ عورت کی شرمگاہ پر ہاتھ رکھ کر یہ کہا، یہ فرج کس قدر

زنا کار تھی، کہتے ہیں فوراً اس کا ہاتھ فرج پر اس طرح چپک گیا، کہ خود اس عورت اور دوسروں نے بھی ہاتھ جدا کرنے کی حتی المقدور سعی وکوشش کی، مگر فرج (شرمگاہ) سے اس کا ہاتھ جدا نہ ہوا، جب ہاتھ جدا کرنے کی ساری تدبیریں رائگاں گئیں تو لوگوں نے شہر مدینہ کے علما وفقہا کی بارگاہوں میں حاضر ہوکر مسئلے کا حل اور تدبیر دریافت کی، تمام علما وفقہا اس کے جواب سے عاجز رہے، جب امام دارالہجرت کی بارگاہ میں لوگ حاضر ہوئے اور اس پیچیدہ ومشکل مسئلہ کا حل پوچھا تو آپ نے اس راز کی حقیقت کو اپنے ذہن رسا اور کامل فہم وبصیرت سے دریافت کرکے یہ فرمایا، کہ اس غسل دینے والی کو حد قذف (یعنی وہ سزا جو شریعت نے زنا کی تہمت لگانے والے کے لیے مقرر فرمائی ہے) جاری کی جائے۔ آپ کے ارشاد کے مطابق غسل دینے والی عورت کو اسی درے لگائے گئے تو ہاتھ فرج سے فوراً جدا ہوگیا۔

اس واقعہ کے بعد امام مالک کی امامت وریاست لوگوں کے دلوں میں جاگزیں ہوگئی۔ (بستان المحدثین ص ۱۵)

اساتذہ اور شیوخ کی اجازت سے اسی عمر میں مسند افتا پر جلوہ افروز ہوئے۔ خود فرماتے ہیں:

ماافتیت حتی شهد لی سبعون انی اهل لذلك ۔

(تذکرۃ الحفاظ ج۱ص۱۹۴)

جب تک ستر علما نے میرے بارے میں شہادت نہیں دے دی کہ میں افتا کا اہل ہوں میں نے فتویٰ نہیں دیا۔

امام صاحب اپنے بہت سے شیوخ واساتذہ کی زندگی ہی میں فتویٰ دینے لگے تھے۔ ایوب سختیانی کا بیان ہے، کہ میں حضرت نافع کی زندگی میں مدینہ گیا، اس وقت امام مالک کا حلقہ درس وافتا قائم تھا۔

ابن منذر کا بیان ہے کہ نافع اور زید بن اسلم کی زندگی ہی میں امام مالک فتویٰ

دینے لگے تھے۔

مصعب کے بقول امام مالک کا حلقہ درس نافع کی زندگی ہی میں ان کے حلقہ درس سے بڑا تھا، فقہ واجتہاد میں آپ کی عبقری شان یہ تھی، کہ مرکز علم وفضل مدینہ منورہ میں لوگوں کا مرجع بن گئے تھے اور حکومت کی طرف سے انہیں فتویٰ دینے کی اجازت کا اعلان کیا جاتا تھا۔

ابن وہب کہتے ہیں، کہ میں نے ایک منادی کو سنا کہ وہ اعلان کر رہا تھا:

لایفتي الناس الا مالك بن انس و ابن ابی ذئب (وفیات الاعیان ج۲ص۳۰۰)

امام مالک اور ابن ابی ذئب کے علاوہ کوئی عالم لوگوں کو فتویٰ نہ دے۔

ان ہی کا بیان ہے، کہ میں نے ۱۴۰ھ میں حج کیا تو سنا کہ منادی کرنے والا کہہ رہا تھا، کہ مالک اور ابن ابی ذئب اور عبدالعزیز ماجشون کے علاوہ کوئی فتویٰ نہ دے۔ ظاہر ہے حج کے موقع پر پوری دنیائے اسلام کے علما، فقہا، محدثین عوام وخواص مکہ میں جمع ہوا کرتے تھے، مگر صرف متذکرہ بالا تین فقہاہی کو مسائل شرعیہ بیان کرنے کا مجاز قرار دیا گیا۔ جس سے ان اشخاص کی فقہی عبقریت کا اظہار ہوتا ہے۔

عبدالرحمٰن بن مہدی آپ کو تمام فقہا پر فوقیت دیتے تھے۔ تذکرۃ الحفاظ میں ہے:

وكان عبدالرحمن بن مهدی لایقدم علي مالك احدا ۔(ج۱ص۱۹۴)

عبدالرحمٰن بن مہدی امام مالک پر کسی کو ترجیح نہیں دیتے تھے۔

امام مالک کی فقہی عظمت کا اندازہ اس بات سے بھی لگایا جاسکتا ہے، کہ خود ان کے شیوخ ان سے فتویٰ پوچھنے آتے تھے۔ امام مالک کہتے ہیں:

قل رجل كنت اتعلم منه مامات حتی یجیئني ویستفتیني ۔

(وفیات الاعیان ج۲ص۲۰۰)

میرے اساتذہ میں بہت کم لوگ ایسے ہیں، جنہوں نے مرنے سے پہلے میرے

پاس آکر مجھ سے فتویٰ نہ پوچھا ہو۔

امام صاحب فرماتے ہیں، ایک بار میں عباسی خلیفہ ابوجعفر منصور کے پاس گیا، اس نے حرام وحلال سے متعلق چند سوالات پوچھے، آخر میں کہا، واللہ آپ کا علم اور آپ کی عقل سب لوگوں سے زیادہ ہے، میں نے کہا، امیر المومنین بخدا ایسا نہیں ہے، بولا کیوں نہیں ایسا ہی ہے، آپ اپنی قابلیت کو چھپانے کی کوشش کررہے ہیں:

لئن بقيت لاكتبن قولك كما يكتب المصاحف و لابعثن به الى الآفاق فاحملهم عليه ۔ (تذکرۃ ج۱ص۱۹۵)

میں اگر زندہ رہا، تو آپ کی فقہ کو قرآن حکیم کی طرح لکھوا کر اطراف میں بھیجوں گا اور اس کے مطابق عمل کرنا لوگوں پر واجب کردوں گا۔

اگرچہ حکومت وقت نے امام مالک کو مستند فقیہ تسلیم کرلیا تھا اور مدینہ میں ان کے علاوہ کسی اور کو فتویٰ دینے کی اجازت نہ تھی اور موسم حج میں جب مصر وشام، ایران وعراق اور عرب کے تمام بلاد وامصار سے عوام وخواص کے ساتھ فقہائے اسلام بھی تشریف لاتے تو امام مالک، ابن ابی ذئب اور ماجشون کے علاوہ کسی کو حکم شرعی بیان کرنے کی اجازت نہ ہوتی۔ حکومت وقت کی حق شناسی اور عزت افزائی کے باوجود امام مالک حکومت کی منشا کے خلاف اپنی حریت رائے اور اعلان حق وصداقت میں ذرا بھی تامل نہ کرتے اور حکومت کے جبر وتشدد کی ہرگز پرواہ نہ کرتے۔

اگر کوئی شخص زبردستی مجبور کیا جائے، کہ وہ اپنی بیوی کو طلاق دے اور اس نے خوف زدہ ہوکر اپنی بیوی کو طلاق دے دی، تو امام ابوحنیفہ اور بعض دیگر ائمہ کے نزدیک طلاق واقع ہوجائے گی، لیکن امام مالک اور اکثر اصحاب حدیث اس کے قائل ہیں، کہ طلاق واقع نہ ہوگی (حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی حدیث ہے لاطلاق و لاعتاق فی اغلاق یعنی حالت جبر واکراہ میں طلاق وعتاق نہیں)

والی مدینہ جعفر بن سلیمان عباسی نے امام صاحب کو حکم دیا، کہ وہ یہ فتویٰ نہ

دیں، لیکن امام صاحب نے علی الاعلان اپنی رائے کا اظہار کیا اور آخر اس کے لیے کوڑوں کی سزا تک گوارہ کی۔

فتویٰ دینے میں احتیاط

امام صاحب اگرچہ فقہ میں درجہ اجتہاد پر فائز تھے، مگر فقہی استفسارات کے جواب میں حد درجہ احتیاط سے کام لیتے، وہ کہا کرتے میرے لیے یہ امر انتہائی گراں بار ہے، کہ مجھ سے حلال وحرام کے بارے میں سوال کیا جائے، میں نے اپنے شہر مدینہ میں ایسے علما وفقہا کو دیکھا ہے، کہ جن کے نزدیک موت فتویٰ دینے سے بہتر تھی، اور اب میں اپنے زمانہ والوں کو دیکھ رہا ہوں کہ وہ فقہ وفتویٰ کے بارے میں خواہش ظاہر کرتے ہیں، اگر ان کو یقین ہو جائے، کہ کل اس کا انجام کیا ہوگا تو اس سے باز آجائیں، حضرت عمر اور علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما خیار صحابہ میں سے تھے ان کے سامنے سائل آتے تو صحابہ کو جمع کرتے اور ان سے مشورہ کے بعد فتویٰ دیا کرتے تھے اور ہمارے زمانہ والوں کے لیے فتویٰ دینا فخر کا سبب ہے، اسی لیے ان کو اس کے مطابق علم دیا جاتا ہے اور وہ حقیقی علم سے محروم رہتے ہیں، ہمارے اسلاف کا یہ طریقہ نہیں تھا، کہ وہ کہیں کہ یہ حلال ہے اور یہ حرام بلکہ وہ کہتے تھے، میں اس بات کو مکروہ سمجھتا ہوں اور اس بات کو پسند کرتا ہوں کیوں کہ حلال وحرام وہ چیزیں ہیں جن کو اللہ اور اس کے رسول نے حلال وحرام بتایا۔

(ترتیب المدارک ج ۱ ص ۱۴۵)

امام صاحب جن فقہی مسائل میں تحقیق تک نہ پہنچ جاتے ان کے بارے میں اگر سوال کیا جاتا تو نہایت متانت اور کشادہ پیشانی کے ساتھ ''لا ادری'' فرماتے۔ امام کے شاگرد ابن وہب کہتے ہیں، کہ اگر میں امام مالک کی ''لا ادری'' لکھا کرتا تو کتنی تختیاں بھر جاتیں۔ (تزئین الممالک ص ۱۴)

خالد بن خراش کا بیان ہے، کہ میں نے امام صاحب سے چالیس مسائل معلوم کیے، تو صرف پانچ کا جواب دیا۔

ہشیم بن جبیل کہتے ہیں کہ میرے سامنے امام صاحب سے اڑتالیس مسائل دریافت کیے گئے تو تینتیس میں کہا، کہ ''لا ادری'' میں نہیں جانتا ہوں۔ عبدالرحمٰن بن مہدی کہتے ہیں، کہ ہم لوگ امام صاحب کے یہاں تھے، ایک شخص نے آ کر کہا، کہ عبداللہ! میں چھ ماہ کی مسافت طے کر کے آپ کی خدمت میں حاضر ہوا ہوں میرے شہر والوں نے چند مسائل دریافت کرنے کے لیے مجھے خاص طور سے آپ کے پاس بھیجا اس کے بعد اس نے مطلوبہ مسائل دریافت کیے، امام صاحب نے سن کر کہا، کہ ''لا احسن'' یعنی ان کے بارے میں تحقیق نہیں ہے، یہ جملہ سن کر وہ آدمی سخت حیرت میں پڑ گیا اور بولا، کہ میں اپنے شہر والوں کو کیا جواب دوں گا؟ امام صاحب نے کہا، کہ تم ان سے کہنا کہ مالک نے کہا، کہ وہ ان کے متعلق تحقیق نہیں رکھتے ہیں۔ (تقدمۃ الجرح والتعدیل ص ۱۸)

امام صاحب فرماتے ہیں کہ اکثر و بیشتر میں ایک مسئلہ کی تحقیق کے لیے پوری رات جاگتا ہوں اور ایک مسئلہ میں دس سال سے غور کر رہا ہوں، مگر آج تک صحیح فیصلہ نہیں کر سکا۔ (ترتیب المدارک ج ۱ ص ۱۴۴)

ابن ابی اویس کہتے ہیں، کہ ایک بار امام صاحب نے فرمایا، کہ کبھی کبھی ایسا مسئلہ پیش آ جاتا ہے، کہ خواب حرام ہو جاتا ہے، ابن ابی اویس نے کہا آپ کی بات تو لوگوں کو نقش فی الحجر کی طرح تسلیم ہوتی ہے، پھر آپ یہ کیوں مشقت برداشت کرتے ہیں، امام صاحب جواب دیتے ہیں، کہ ابن ابی اویس اس حال میں تو مجھ کو اور کاوش کرنی چاہیے۔

(الزوادی عن عبدالرحمٰن بن عبدالعزیز العمری ص ۳۱)

اگر کسی مسئلہ میں غلطی ہوتی اور کوئی اصلاح کر دیتا تو فوراً تسلیم کر لیتے تھے، ایک شخص نے پوچھا، کہ کیا وضو میں پاؤں کی انگلیوں میں خلال کرنا چاہیے؟ امام نے فرمایا ''لیس ذلك علی الناس'' ابن وہب امام کے شاگرد بیٹھے تھے، مجلس کے بعد انہوں نے کہا، کہ تخلیل کی ایک حدیث میرے پاس ہے، امام نے سن کر کہا، ''حدیث حسن'' پھر اس کے بعد ہمیشہ فتویٰ اس کے موافق دیا۔ (الزوادی عن ابن ابی وہب ص ۳۷)

نفاذ فقہ مالکی میں احتیاط

عہد بنوامیہ اور بنوعباس کے ابتدائی ادوار میں اسلامی بلاد وامصار کے لیے جو قاضی مسائل شرعیہ کے حل اور نزاعی مقدمات کے فیصلوں کے لیے مقرر کیے جاتے تھے، وہ قرآن وسنت، صحابہ اور تابعین کے اقوال اور اپنی فقہی بصیرت کی روشنی میں حکم شرعی بیان کیا کرتے تھے، جس کا اثر اور نتیجہ یہ ہوتا، کہ ایک ہی قسم کے مقدمے میں قاضیوں کے فیصلے مختلف ہو جاتے، اس طرح نزاع وخصومت کی صورت اور بھی نازک ہو جاتی، جس کی بنا پر خود خلفا، امرا اور دانشوروں کے ذہن میں قدرتی طور پر یہ بات پیدا ہونے لگی تھی، کہ اگر ان نزاعی فیصلوں کے تدارک کی بروقت کوشش نہیں کی گئی، تو کہیں قانون اسلامی کا شیرازہ منتشر نہ ہو جائے اور بعد میں ان پر قابو پانا ازبس دشوار ہو جائے، اس لیے ان کے ذہن ودماغ میں یہ خیال پوری قوت وشدت کے ساتھ ابھر رہا تھا، کہ ملت اسلامیہ کے لیے قرآن وسنت اور اجماع کے اصولوں پر ایک ایسا قانون وضع کر لیا جائے، جس کی روشنی میں نظام سلطنت بحسن وخوبی انجام پا سکے اور فیصلہ مقدمات کی اختلافی ونزاعی صورتوں کا انسداد ہو سکے اور چوں کہ یہ اہم کام حکومت وقت کی سرپرستی کے بغیر ممکن نہیں تھا، اس لیے خلیفہ منصور کے ایک رکن سلطنت ابن المقفع نے خلیفہ کے سامنے اپنی تجویز پیش کرتے ہوئے کہا:

خلیفہ اہل علم کی ایک کونسل بنائے، جس میں ہر نقطہ نظر کے علما پیش آمدہ مسائل پر اپنا اپنا علم اور خیال پیش کریں، پھر خلیفہ خود ہر مسئلہ پر اپنا فیصلہ دے اور وہی قانون ہو اور اس اہم امر پر زور دیتے ہوئے اس نے کہا تھا ”واعمقها اثرا في حياة المسلمين“ یعنی مسلمانوں کی زندگی پر سب سے گہرا اثر ڈالنے والا عنصر یہی اسلامی قانون ہے۔

خلیفہ منصور اس تجویز کو بروئے کار لانے کی صلاحیت نہ رکھتا تھا، کیوں کہ اس مشورہ میں خلیفہ ہی کو آخری حکم کا درجہ دیا گیا تھا اور وہ اپنی علمی لیاقت اور پوزیشن سے

مطمئن نہیں تھا اسے خوب اچھی طرح معلوم تھا، کہ منصب خلافت کے باوجود شرعی امورواحکام میں مسلمان اس کے فیصلوں کو حرف آخر سمجھ کر قبول نہ کریں گے، لیکن ابن المقفع کی اس رائے پر وہ ضرور قائم رہا، کہ اسلامی قانون مدون ہو جانا چاہیے اور اسے حدود خلافت میں نافذ بھی کر دیا جائے، اس کام کے لیے اس کی نظر امام دار الہجرت حضرت مالک بن انس پر پڑی، چنانچہ ۱۴۸ھ میں جب حج کے لیے حرمین شریفین پہنچا تو اس نے امام مالک سے خواہش کی، کہ اگر آپ اجازت دیں تو تمام مسلمانوں کو آپ کی فقہ پر جمع کر دیا جائے۔ ۱۶۳ھ میں دوبارہ حج کو گیا تو پھر درخواست کی:

اے ابو عبداللہ! آپ علم فقہ کو ہاتھ میں لیجیے اور اس کو الگ الگ ابواب کی صورت میں مدون کر ڈالیے، عبداللہ بن عمر کے تشددات، عبداللہ بن عباس کی رخصتوں اور عبداللہ بن مسعود کی انفرادیات سے بچتے ہوئے ایک ایسا ضابطہ مدون کیجیے جو خیر الامور اوسطہا کے اصول پر مبنی ہو اور جو ائمہ اور صحابہ کے متفق علیہ مسائل کا مجموعہ ہو، اگر آپ نے یہ خدمت انجام دے دی، تو انشاء اللہ آپ کی فقہ پر ہم مسلمانوں کو مجتمع کر دیں گے اور اس کو تمام مملکت کے اندر جاری کر کے اعلان کر دیں گے، کہ کسی حال میں اس کی خلاف ورزی نہ کی جائے۔

(ماہنامہ چراغ راہ قانون اسلامی نمبر ج ۲ ص ۴۹۰)

اگرچہ حضرت امام مالک پر یہ تحریک اثر انداز ہوئی اور اسی کے تحت انہوں نے مؤطا مرتب کر دی کہ مسلمانوں کی اہم ترین اجتماعی ضرورت پوری ہو، مگر وہ اس پر کسی حال میں راضی نہ ہوئے کہ پوری مملکت کے لیے یہی واحد کتاب قانون مقرر ہو جائے۔ منصور جو امام مالک کو 'اعقل الناس واعلم الناس' مانتا تھا اس کے اصرار کے جواب میں امام مالک نے بطور عذر یہ دلیل دی کہ:

امیر المومنین! آپ ہرگز ہرگز ایسا نہ کیجیے، دیکھیے مسلمانوں کے پاس مختلف علما کے اقوال پہلے ہی سے پہنچ چکے ہیں، وہ حدیثیں سن چکے ہیں اور روایتیں روایت کر چکے ہیں اور اسی کو اپنا دین بنا چکے ہیں، پس جس علاقے کے باشندوں نے جو باتیں اختیار کر لی ہیں ان کو

انہی کے حال پر چھوڑ دیجیے۔ (ایضا)

کتنی خداترس اور محتاط ہستی ہے، کہ دیانتاً علم کے دائرے میں جن احکام کو امام نے اپنی جگہ قطعی حق سمجھ کر مؤطا قلم بند کی، اس کا بزور واقتدار مختلف الخیال لوگوں پر ٹھونسا جانا پسند نہ کیا، انہوں نے فقہ وقانون کے دائرے میں ہر کسی کے لیے اختلاف کا حق باقی رکھنا چاہا، پھر یہ دیکھیے کہ کتنے بڑے اعزاز اور مفاد کو رضائے الٰہی کے لیے ٹھکرادیا، وہ نظریہ اور وہ علم کیا ہوا جس کا سکہ چلے تو جبر سے چلے اور جو محض اپنی لمعانی وتابانی کے زور سے دلوں کو مسخر نہ کرے اور امام مالک کا علم اقتدار کی تائید کے بغیر دلوں کو مسخر کرتا چلا گیا اور مؤطا جسے شاہ ولی اللہ "اصح کتب الفقه واشهرها واقدمها واجمعها" (کتب فقہ میں سے صحیح ترین مقدم ترین اور جامع ترین) قرار دیتے ہیں اور فرماتے ہیں، کہ "امروز ہیچ کتاب از کتب فقہ اقوی از مؤطا نیست" وہ قصیدہ سعدون کے اس شعر کی مصداق بن کے رہی۔

ودع للموطا كل علم تريده

فان الموطا الشمس والعلم كوكب

دوسرے سارے علم کو مؤطا پر نثار کردے، کیوں کہ دوسرے سارے علم ستارے ہیں اور مؤطا سورج ہے۔

منصور کے بعد مہدی نے بھی اس کوشش کو جاری رکھا، مگر آپ نے قبول نہ کیا۔

مہدی کے بعد ہارون نے پھر یہ مسئلہ اٹھایا اور امام مالک سے اجازت چاہی، کہ مؤطا کو خانہ کعبہ پر آویزاں کردیا جائے۔ اس نے امام مالک کے گھر جاکر تلامذہ کی صف میں بیٹھ کر مؤطا کا سماع کیا۔

یہ منازل تھیں جنہیں ہارون نے اس غایت سے سر کیا، کہ حکومت کے ہاتھ میں سنۃ الرسول کے مستند اور معتمد علیہ محدث وفقیہ کی مرتب کردہ کتاب قانون آجائے۔ اقتدار کوچہ علم میں سر کے بل چل کر پہنچا، مگر امام اپنی سوچی سمجھی ہوئی دلیل کی بنا پر مؤطا کو اقتدار کے ہاتھ میں دینے پر تیار نہ ہوئے۔

فقہ مالکی کے اصول استنباط

حضرت امام مالک نے فقہاے سبعہ سے حدیث وفقہ کی تعلیم پائی پھر مشرق ومغرب سے آنے والے طالبان علوم کو احادیث رسول اوران کی روشنی میں فقہ وفتاوی کی تعلیم دیتے رہے۔ اگر آپ کسی مسئلہ کا جواب حاصل کردہ احادیث میں نہ پاتے، تو اس کی شبیہ سے فتویٰ دیتے، اپنے علم میں اس کی شبیہ بھی نہ پاتے تو اجتہاد کرتے اور کتاب وسنت کی نص، مضمون، اشارہ اور مفہوم سے حکم کا استخراج کرتے۔ نصوص کا موازنہ فرماتے، سنت کا کتاب سے موازنہ کرتے، موافق نص نہ پاتے تو استنباط حکم میں قیاس کا سہارا لیتے، مصلحت پیش نظر ہوتی، تو ایسی مصلحت کے مطابق فتویٰ دیتے، جو شارع علیہ السلام کی نص کے مخالف نہ ہو۔ کتاب اللہ، سنت رسول اللہ، فتاوائے صحابہ، قیاس اور مصالح مرسلہ فقہ مالک کے اصل مآخذ ہیں

امام مالک نے جن اصولوں پر اپنے مذہب کی بنا رکھی اور جن کی بنیاد پر فروعی احکام کا استخراج کیا اور استنباط مسائل میں جن کا لحاظ رکھا ان کو مدون نہ فرمایا، مگر پھر بھی انہوں نے اپنے بعض فتاوے، مسائل، احادیث متصل، منقطعہ، مرسلہ اور بلاغات کی تدوین کا اشارہ فرمایا، اگرچہ اس کا طریقہ نہ بیان کیا، مثلاً مؤطا میں بیان کیا، کہ انہوں نے حدیث مرسل، حدیث منقطع اور بلاغات کو اخذ کیا ہے، لیکن اخذ کا طریقہ نہیں بیان کیا ہے، اس لیے کہ انہوں نے اسناد کے قابل بحث گوشوں میں کرید نہ کی اور اس لیے کہ وہ ثقہ راویوں ہی سے حدیث بیان کیا کرتے تھے، یہی وجہ ہے، کہ آپ کی کامل توجہ ایسے شخص کی طرف ہوتی تھی، جو بالمشافہ آپ سے حدیث بیان کرتا، ظاہر ہے، جب راوی اپنے نفس، عقل اور فقہ کے اعتبار سے ثقہ تھے تو سلسلہ سند میں بحث کی چنداں ضرورت

نہیں تھی۔

امام مالک نے اہل مدینہ کے عمل کا طریقہ اخذ اور اس کے دواعی کو صراحتاً بیان کیا ہے، چنانچہ ان کی مؤطا اخذ بالقیاس پر مشتمل ہے، اس کی ایک مثال ملاحظہ فرمائیں، کہ حضرت امام مالک نے مفقود کی اس بیوی کو جس نے دوسرے سے نکاح کرلیا ہو اور مفقود دوبارہ اس کے پاس لوٹ آیا ہو اس عورت پر قیاس کیا ہے، جس کے شوہر نے اسے طلاق رجعی دی اور اس سے رجعت کرلیا، لیکن بیوی کو طلاق معلوم ہو رجعت کا علم نہ ہو اور اس نے اسی مشتبہ حالت میں دوسرا نکاح کرلیا ہو۔

یوں ہی مؤطا میں ایسی چیزیں ملیں گی، جو امام مالک کے اصول استنباط کی طرف مشیر ہیں، اگرچہ ان اصولوں کی توضیح وتوجیہ نہیں کی گئی ہے، مثلاً قیاس کی علت کے ضوابط اور اس کے مراتب وغیرہ بیان نہیں ہوئے ہیں۔

فقہائے مالکیہ نے فقہ مالکی سے متعلق وہی کام کیا، جو فقہائے حنفیہ نے فقہ حنفی کے سلسلے میں انجام دیا، چنانچہ انہوں نے فروع کی طرف اعتنا کرتے ہوئے اس کا تتبع کیا اور فروع کے ذریعہ ایسے امور مستخرج کیے، جو فقہ مالکی کے استنباط کے صحیح اصول بن سکیں، انہوں نے ان اصول مستنبطہ کو اس طور پر مرتب کیا، کہ یہ امام مالک کے اصول ہیں مثلاً کچھ ایسے اصول بنائے "مالك يأخذ بمفهوم المخالفة" "مالك يأخذ بفحوى الخطاب" "مالك يأخذ بظاهر القرآن" "مالك يقول في العموم كذا وكذا" حالاں کہ درحقیقت یہ اقوال امام مالک سے منقول نہیں ہیں، بلکہ یہ ان فروع سے مستخرج ہیں، جو آپ سے منقول ہیں یا آپ کے بعد کے علمائے مالکیہ نے جنہیں بیان کیا ہے، ان اصول سے ہٹ کر فقہ مالکی میں استدلال ممکن نہیں، یہی مذہب مالک کے اصول ہیں انہیں اپنانا ضروری ہے، کیوں کہ یہ علمائے مالکیہ کی کوششوں کا نتیجہ ہیں، اس بنیاد پر کہ یہ اصول امام مالک سے منقول نہیں رد نہیں کیے جاسکتے، ہاں وہ اصول جو امام مالک کے ناقابل تردید اقوال صریحہ ثابتہ منقولہ کے مخالف ہوں اور بعض ہی فروع پر منطبق ہوں اکثر پر منطبق نہ ہو سکیں ان کا ضرور رد کیا جائے گا اور یہ معاملہ ہر اس اصول

کے ساتھ ہوگا جو کسی امام کی طرف منسوب ہو اور اس کے قول منقول کے مخالف ہو، ایسے اصول کتب مالکیہ اور تعلیقات علمائے مالکیہ میں بکھرے پڑے ہیں، مالکیہ ہر قاعدہ کے تحت کہتے ہیں "رای فیہا مالك كذا" ان کا یہ قول فروع مالکیہ کا حاصل ہوتا ہے۔قرافی کی کتاب "التنقیح" کا مطالعہ کیجیے انہوں نے قاعدہ اور معاً امام مالک کی جمہور کے موافق یا مخالف رائے ذکر کی ہے۔ایسے ہی آرا کے مجموعے مذہب مالکی کے اصول کہلائے۔

قرافی نے "تنقیح" میں فقہ مالکی کے مندرجہ ذیل گیارہ اصول ذکر کیے ہیں۔

(۱) قرآن (۲) سنت (۳) اجماع (۴) اجماع اہل مدینہ (۵) قیاس (۶) قول صحابی (۷) مصلحت مرسلہ

(۸) عرف وعادات (۹) سد ذرائع (۱۰) استصحاب (۱۱) استحسان

ذیل میں اب ہم مذکورہ بالا اصول سے متعلق قدرے تفصیلی گفتگو کریں گے۔

کتاب

حضرت امام مالک کتاب اللہ کو دین کی اصل اور شریعت کا منبع قرار دیتے ہیں، وہ درپیش مسائل میں سب سے پہلے قرآن سے استنباط کرتے ہیں، امام مالک نے اپنے ہم عصر علما کی طرح قرآن کے لفظ و معنی ہونے یا صرف معنی ہونے یا اپنے مابعد لوگوں کی طرح اس کے مخلوق ہونے میں کوئی جدال نہیں کیا، وہ چاہتے تھے، کہ دین کے مسائل کو جدل کا اکھاڑا نہ بنایا جائے، ان کا اعتقاد تھا، کہ جس شخص نے قرآن میں کسی سے جدل کیا اس نے جبریل کے لائے ہوئے قرآن اور محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہونے والی کتاب میں عیب نکالا۔

حضرت امام مالک کا خیال تھا، کہ قرآن کلی طور پر شریعت پر مشتمل ہے، وہ حدیث رسول کو قرآن کی تفسیر و بیان قرار دیتے تھے، وہ کہتے تھے، قرآن کی تفسیر وہی بیان کرے، جو عربی زبان کا عالم، عرب کے مختلف لہجوں کا عارف، اور عربیوں کے اسالیب

کلام سے واقف ہو، وہ قرآن کی تفسیر میں اسرائیلی روایات کے داخل کرنے کو مکروہ جانتے تھے، اور اسرائیلی روایات بیان کرنے والے کی روایت کو معتمد نہیں مانتے تھے۔

ان کے نزدیک قرآن بلا جدل لفظ و معنی کا نام ہے، اسی وجہ سے انہوں نے نماز میں قرآن کے ترجمے کو جائز قرار نہیں دیا ہے اور نہ ترجمے کی سماعت پر سجدہ تلاوت کو واجب قرار دیا ہے، محض ترجمہ کو وہ قرآن کی تفسیر گمان کرتے ہیں۔

حضرت امام مالک قرآن کریم کی نص، ظاہر، مفہوم موافق، مفہوم مخالف سے استدلال کرتے ہیں اور استدلال میں نص کو ظاہر پر ظاہر کو مفہوم موافق پر مفہوم موافق کو مفہوم مخالف پر مقدم کرتے ہیں۔

سنت

حضرت امام مالک سنت رسول کو دوسرا مصدر شرعی قرار دیتے ہیں، جو چیز کتاب اللہ میں منصوص نہیں ہوتی ہے، یا کتاب اللہ میں جس امر کا اجمالی حکم مذکور ہوتا ہے، سنت رسول کو اس کے لیے حجت و بیان خیال کرتے ہیں، وہ قرآن کریم کے ظاہر کو ظاہر سنت پر ترجیح دیتے ہیں، چنانچہ انہوں نے اس آیت کریمہ:

وَالْخَيْلَ وَالْبِغَالَ وَالْحَمِيرَ لِتَرْكَبُوهَا وَزِينَةً (النحل آیت ۸)

کی وجہ سے گھوڑے کو حرام قرار دیا ہے، جب کہ بعض احادیث میں بصراحت اس کی حلت مذکور ہے۔ ہاں! اگر کوئی دوسرا امر بھی سنت کا موید ہو تو ایسی صورت میں ظاہر سنت کو ظاہر کتاب پر مقدم کرتے ہیں جیسے آیت کریمہ

وَاُحِلَّ لَكُمْ مَّا وَرَاءَ ذٰلِكُمْ (النساء آیت ۲۴)

سے ظاہر ہے کہ پھوپھی بھتیجی کو نکاح میں جمع کیا جا سکتا ہے، جب کہ صریح سنت میں پھوپھی بھتیجی کو نکاح میں جمع کرنے کی حرمت مذکور ہے، یہاں اجماع اس سنت کا موید ہے، کہ ''جمع بین المراۃ و عمتھا'' حرام ہے، لہٰذا امام مالک نے پھوپھی اور بھتیجی کو نکاح میں جمع کرنا حرام قرار دیا ہے۔

حضرت امام مالک قبول روایت میں بہت شدت برتتے تھے، یہی وجہ ہے کہ آپ کا سلسلہ اسناد قوی ترین سلسلہ اور بقول بعض محدثین ''السلسلة الذهبية'' یعنی سونے کی کڑی ہے۔ آپ فرماتے تھے، چار شخصوں سے علم نہ لیا جائے (۱) بیوقوف (۲) ہواپرست سے جو بدعتی ہو (۳) جھوٹے سے جو لوگوں کی باتوں میں جھوٹ گڑھتا ہے، اگرچہ حدیث رسول میں جھوٹ نہ بولے (۴) اور ایسے شیخ سے جو فضیلت، صلاح اور عبادت رکھتے ہوں، مگر یہ نہ جانیں کہ کون حدیث بیان کی جائے کون نہ بیان کی جائے۔

آپ کے اس قول سے ظاہر ہے، کہ رجال حدیث میں کون کون سی شرطیں پائی جانی چاہئیں، چنانچہ ان کے نزدیک عدالت شرط ہے، وہ غیر عادل سے حدیث قبول نہیں کرتے، مجہول سے حدیث قبول نہیں کرتے، احمق تقی سے حدیث قبول نہیں کرتے، ایسے عابد سے حدیث قبول نہیں کرتے جو امور کو صحیح میزان پر نہ تول سکے، ایسے فرقے کے لوگوں سے حدیث قبول نہیں کرتے جو بدعتی ہو کیوں کہ ممکن ہے، کہ وہ رسول اللہ کی طرف کسی ایسی بات کو منسوب کردیں جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ کہی ہو، ایسے شخص سے حدیث قبول نہیں کرتے، جو حدیث کے معنی ومفہوم، غایت ومقصود سے واقف نہ ہو اور یہ نہ جانتا ہو کہ کیا روایت کرے کیا نہ کرے؟

فتاوائے صحابہ

حضرت امام مالک اپنے ابتدائی زمانہ تعلیم ہی سے صحابہ کرام کے قضایا، فتاوی اور ان مسائل کے احکام کی طرف راغب تھے، جن کا انہوں نے استنباط کیا تھا، خصوصا حضرت عبداللہ بن عمر کے فتاوی کی تحصیل کا شوق حرص کی حد تک پہنچا ہوا تھا، چنانچہ دوپہر کی کڑی دھوپ میں ابن عمر کے شاگرد خاص حضرت نافع کی راہ تکتے تاکہ ان سے حضرت عبداللہ بن عمر کے اقوال معلوم کریں، اسی طرح حضرت عمر بن خطاب کے قضایا کی معرفت کے بھی حریص تھے، انہوں نے مدینہ کے فقہائے سبعہ کی فقہ حاصل کی، اپنے

اخلاف کو حدیث رسول کے ساتھ صحابہ کرام کے اختلاف، معارف، فتاوے اور ان کے قضایا کی تعلیم دی، حیات مالک کے تتبع کے بعد ہم یہ کہنے پر مجبور ہو جاتے ہیں، کہ جس منہاج علم پر انہوں نے مسائل کا استخراج اور احکام کا استنباط کیا اس میں حدیث رسول کے ساتھ صحابہ کے اقضیہ وفتاوی بھی ہیں۔

حضرت امام مالک کی شہرۂ آفاق کتاب ''مؤطا'' کے مطالعہ سے آشکار ہوتا ہے، کہ آپ نے احادیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ صحابہ کے فتاوی اور قضایا سے بھی اس کتاب کو مزین کیا ہے اور احادیث رسول کی طرح ان فتاوی کو دین کی اصل قرار دے کر قابل عمل بتایا ہے، ذیل میں دو مثالیں ملاحظہ ہوں!

(۱) ان عمر بن الخطاب قال في رجل اسلف رجلا طعاما علی ان يعطيه اياه في بلد آخر فكره ذلك عمر بن الخطاب وقال فاين الحمل يعني حملانه ۔

وترى من هذا ان مالكا منع ذلك النوع من الشروط اعتمادا على فتوىٰ عمر هذه ۔

مؤطا میں ہے مالک کے پاس خبر پہنچی کہ عمر بن خطاب نے مکروہ قرار دیا ہے، کہ کوئی شخص کسی کو اناج کے لیے اس شرط پر پیشگی رقم دے کہ بائع دوسرے شہر میں اس کو اناج سپرد کر دیگا حضرت عمر نے فرمایا کہ اس کی بار برداری کی اجرت کہاں ہے؟

امام مالک نے حضرت عمر کے اس فتویٰ پر اعتماد کرتے ہوئے اس شرط سے منع فرمایا ہے۔

(۲) مؤطا میں ہے مالک کے پاس خبر پہنچی، کہ ایک شخص عبداللہ بن عمر کے پاس آیا اور کہا اے ابو عبدالرحمٰن! میں نے ایک شخص کو قرض دیا اور یہ شرط لگائی کہ وہ اس سے افضل مجھے دے، تو عبداللہ بن عمر نے کہا، یہ ربا ہے تو اس نے کہا، اے ابو عبدالرحمٰن! آپ مجھے کیا حکم دیتے ہیں؟ عبداللہ بن عمر نے کہا، قرض کی تین صورتیں ہیں (۱) وہ

قرض جس کے ذریعہ تم اللہ کی خوش نودی چاہو،تو تمہارے لیے اس کی رضا ہے (۲) وہ قرض جس کے ذریعہ تم اپنے دوست کی خوش نودی چاہو (۳) وہ قرض جس کے ذریعہ تم طیب کو خبیث کے بدلے لو،تو یہ ربا ہے۔ اس نے کہا، اب میرے لیے آپ کا کیا حکم ہے؟ اے ابوعبدالرحمٰن! انہوں نے کہا، میرا خیال ہے، تم عہدنامہ چاک کردو، اگر وہ تمہیں اسی کے مثل ادا کرے جیسا کہ تم نے پہلے اسے دیا تھا، یا اس سے حقیر دے تو اسے لے لو تمہیں اس کا اجر ملے گا اگر وہ بطیب خاطر اس سے افضل دے تو یہ شکریہ ہے، جو اس نے تیرے لیے ادا کیا اور تیرے لیے اس کا اجر ہے کہ تو نے انتظار کیا۔

امام مالک نے اس نظریہ پر عمل کیا اور فرمایا، کہ جس نے قرض میں اپنے عطیہ سے زیادہ یا اچھا ادا کرنے کی شرط لگائی، تو یہ قرض باطل ہے اور مقروض جو ادا کرے قرض دینے والا اسے لے لے اور بہتر یہ ہے کہ مدت مقررہ تک رکا رہے، مدت ختم ہونے کے بعد لے تاکہ شرط باطل ہو جائے۔

یوں تو ائمہ اربعہ فتاوائے صحابہ پر اعتماد رکھتے تھے، لیکن صحابہ کے فتاوی اور قضایا کو جو اہمیت امام مالک اور احمد بن حنبل دیتے تھے وہ امام ابوحنیفہ اور امام شافعی کے نزدیک حاصل نہ تھی، امام مالک اور امام احمد بن حنبل نے فتاوائے صحابہ کو اپنے اجتہاد کا رکن قرار دیا ہے اور ان پر اپنی فقہ کی تخریج کی ہے، انہوں نے کسی قید اور عدد وغیرہ کی شرط کے بغیر فتاوائے صحابہ کو قابل عمل سمجھا ہے، صحابہ میں اختلاف رائے کی صورت میں اکثر کی رائے پر عمل کیا ہے۔

امام مالک اقوال صحابہ کو مصدر فقہ، حجت اور سنت نبویہ کا ایک شعبہ مانتے تھے، یہی وجہ ہے کہ خبر آحاد کے مقابلہ میں قول صحابہ کو ترجیح دیتے اور خبر کو چھوڑ دیتے، چنانچہ اس کی دو مثالیں ملاحظہ ہوں!

(۱) حالت احرام میں پچھنا لگوانے سے متعلق حضرت عبداللہ بن عمر کا قول ہے ”ان المحرم لا یحتجم من غیر ضرورۃ“ محرم بغیر ضرورت پچھنا نہ لگوائے، حضرت امام نے اس پر اعتماد کیا اور ابن عمر کے اس قول کو مندرجہ ذیل خبر واحد پر ترجیح دی:

امام شافعی کی کتاب ''الام'' میں ہے میں نے امام شافعی سے محرم کے لیے پچھنا لگوانے کے بارے میں پوچھا، توانہوں نے کہا، وہ پچھنا لگوائے اور سر نہ منڈائے اور بغیر ضرورت کے پچھنا نہ لگوائے، میں نے کہا اس کی کیا دلیل ہے فرمایا، ہمیں مالک نے عن یحییٰ بن سعید عن سلمان بن یسار خبر دی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حالت احرام میں پچھنا لگوایا تو میں نے کہا، کہ ہم تو کہتے ہیں، کہ پچھنا نہ لگوائے مگر جب کہ ضرورت ہو اس کے بغیر کوئی چارہ نہ ہو امام مالک بھی یہی فرماتے ہیں۔ (الام ج ۷ ص ۱۹۶)

اس موقع پر امام مالک نے عبداللہ بن عمر کے قول کو لیا اور دوسری روایت ترک کردی حالاں کہ خود اس کے راوی بھی حضرت مالک ہی ہیں، ایک روایت کو ترک کر کے دوسرے کو اختیار کرنا اسی بنیاد پر ہے کہ ابن عمر کا قول ان کے نزدیک سنت ہے۔

(۲) دوران حج محرم کے لیے احرام کھولنے سے پہلے خوشبو لگانے سے متعلق حضرت امام مالک سند متصل سے روایت کرتے ہیں، کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم خوشبو لگاتے تھے، لیکن انہوں نے اپنی اس خبر کے برخلاف اس کے مکروہ ہونے کا فتویٰ دیا ہے اور اس سلسلے میں حضرت عمر کا قول نقل کیا ہے کہ انہوں نے احرام کھولنے سے پہلے خوشبو لگانے سے منع فرمایا ہے، یہ اس لیے کہ وہ جانتے تھے کہ حضرت عمر سنت رسول کے سچے ناقل ہیں۔

یہاں کوئی یہ نہ سمجھ لے کہ امام مالک قول صحابی کو خبر رسول پر مطلقاً ترجیح دیتے تھے، بلکہ آپ کے پاس دو مختلف روایتیں آتیں تو ان میں سے اوثق واصدق کو لے لیتے اور دوسری کو رد کر دیتے تھے۔

اجماع

یوں تو ائمہ اربعہ نے اجماع کا اعتبار کیا ہے، لیکن امام مالک نے اس کا اعتبار دیگر ائمہ سے بڑھ چڑھ کر کیا ہے، وہ اجماع کے ذریعہ حجت پیش کرتے ہیں اور اس کے ذریعہ فتویٰ دینے کو سند قرار دیتے ہیں، آپ موطا کا مطالعہ کریں، تو بہت سی جگہوں پر نظر آئے

گا، کہ امام مالک نے قضیہ سے متعلق حکم بیان کرتے ہوئے فرمایا ہے "انــــه الامـــر المجتمع عليه" یہ ایسا امر ہے، جس پر اجماع ہے۔ ذیل میں اس کی دو مثالیں پیش کی جاتی ہیں:

(۱) امام مالک نے مؤطا میں علاتی بھائی بہنوں کی میراث سے متعلق تحریر فرمایا:

الامر المجتمع عليه عندنا ان ميراث الاخوة للاب اذا لم يكن معهم احد من بني الاب والام كمنزلة الاخوة للاب والام سواء ذكرهم كذكرهم وانثاهم كانثاهم لايشركون مع بني الام في الفريضة التي شركهم فيها بنو الاب والام لانهم خرجوا من ولادة الام التي جمعت اولئك۔

یعنی ہمارے نزدیک اجماعی امر ہے، کہ علاتی بھائیوں اور بہنوں کے ساتھ حقیقی بھائی بہن میں سے کوئی نہ ہو، تو ان کی میراث کا مسئلہ حقیقی بھائی بہن کی طرح ہے، علاتی بھائی بہن، حقیقی بھائی بہن کی منزل میں ہوں گے، علاتی بھائی بہن اس حصے میں اخیافی بھائی بہن کے شریک نہ ہوں گے، جس میں حقیقی بھائی بہن اخیافی بھائی بہن کے شریک ہیں، اس لیے کہ علاتی بھائی بہن اس ماں کی ولادت سے خارج ہیں، جس میں وہ سب جمع ہیں۔ (مؤطا شرح زرقانی ج ۲ ص ۲۶۷)

(۲) مؤطا میں اس بیع سے متعلق جس میں جملہ عیوب سے براءت کی شرط لگائی گئی ہو، امام مالک لکھتے ہیں:

الامر المجتمع عليه عندنا في من باع عبدا او وليدة او حيوانا بالبراءة فقد برئ من كل عيب فيما باع الا ان يكون علم في ذلك فكتمه فان كان علم عيبا فكتمه ينفعه تبرأته وكان ماباع مردودا عليه۔

ہمارے نزدیک یہ اجماعی امر ہے، کہ اگر کسی نے غلام، باندی یا کوئی

جانور اس شرط کے ساتھ بیچا، کہ مبیع ہر عیب سے پاک ہے، تو وہ مبیع کے عیب سے بری ہو جائے گا، لیکن اگر اس نے عیب جانتے ہوئے، چھپایا تو کتمان عیب براءت میں اس کے لیے مفید نہ ہوگا اور مبیع کو لوٹا دیا جائے گا۔ (مؤطا شرح زرقانی ج ۳ ص ۸)

مذکورہ بالا دونوں اقتباسات سے ظاہر ہے، کہ امام مالک اجماع سے دلیل پیش کرتے ہیں اور اس کی طرف ''المجتمع علیه عندنا'' سے اشارہ کرتے ہیں، امام مالک کے اس قول کی مراد ترتیب المدارک ص ۳۴ میں اس طرح بیان کی گئی ہے ''وما کان فیه الامر المجتمع علیه فهو مااجتمع علیه قول اهل الفقه والعلم ولم یختلفوا فیه'' یعنی وہ مسئلہ جس میں امر مجتمع علیہ ہے وہ ہے جس پر اہل علم وفقہ کا قول متفق ہے اور اس میں انہوں نے اختلاف نہیں کیا ہے۔ شرح التنقیح میں اس تعلق سے مرقوم ہے، امر مجتمع علیہ اس امت کے اہل حل وعقد کا کسی امر میں متفق ہونا ہے، اتفاق سے ہماری مراد قول یا فعل یا اعتقاد میں اشتراک ہے اور اہل حل وعقد سے مراد احکام شرعیہ کے مجتہدین ہیں۔

مذکورۃ الصدر دونوں عبارتوں سے مفہوم ہوتا ہے، کہ اجماع اہل علم وفقہ اور مجتہدین کے اتفاق کا نام ہے، قرافی نے ''تنقیح الاصول'' میں اجماع کو عمل اہل مدینہ سے الگ مستقل حجت شمار کیا ہے، امام غزالی نے ''المستصفی'' میں فرمایا ہے، کہ اجماع اہل مدینہ کا اجماع ہے، شیخ علیش نے بھی اپنے فتاوی میں تصریح فرمائی ہے، کہ:

ان مالکا یعتبر اتفاق اهل المدینة اجماعا یکون حجة۔

امام مالک اجماع اہل مدینہ کے اتفاق کو قرار دیتے ہیں۔

بہر کیف امام مالک نے اجماع کو حجت قرار دیا ہے اور ان مسائل میں جن میں قابل اعتماد نص نہ ملی یا ایسی نص ملی، جو محتاج تفسیر تھی یا آیت کا ظاہر احتمال وتخصیص کا قابل تھا، ان میں اجماع کو دلیل شرعی بنایا ہے۔

عمل اہل مدینہ

حضرت امام مالک اہل مدینہ کے عمل کو فقہی مصدر سمجھتے اور اپنے فتاوی میں ان پر کامل اعتماد کرتے، عمل اہل مدینہ امام مالک کی فقہ کا پانچواں اصول ہے، انہوں نے لیث بن سعد کے پاس ایک خط لکھا، جس میں انہیں اہل مدینہ کے عمل کی ترغیب دی اور اس کے ترک پر تنبیہ فرمائی، ذیل میں اس خط کا ایک حصہ ہم نقل کرتے ہیں، یہ خط تعامل اہل مدینہ پر ان کے اعتماد واثق کا بین ثبوت ہے۔ لکھتے ہیں:

اللہ آپ پر رحم فرمائے معلوم ہو کہ مجھے خبر ملی ہے، کہ آپ لوگوں کو مختلف ایسے فتاوی دیتے ہیں، جو ہمارے نزدیک لوگوں کے مسلک کے خلاف اور جس شہر (مدینہ) میں ہم ہیں، اس کے عمل کے مخالف ہوتے ہیں، آپ اپنے شہر والوں میں امانت، فضیلت اور علوے مرتبت رکھتے ہیں، وہ لوگ آپ کے محتاج ہیں، آپ کے قول پر انہیں اعتماد ہے، آپ کے لیے مناسب ہے، کہ اس کا اتباع کریں، جس کی پیروی میں نجات کی امید ہے، اللہ تعالیٰ اپنی کتاب عزیز میں ارشاد فرماتا ہے:

وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ ۔ (التوبہ:۹/۱۰۰)

اور فرماتا ہے:

فَبَشِّرْ عِبَادِ الَّذِيْنَ يَسْتَمِعُوْنَ الْقَوْلَ فَيَتَّبِعُوْنَ اَحْسَنَهٗ ۔

(الزمر ۳۹/۱۸،۱۷)

بے شک لوگ اہل مدینہ کی پیروی کرنے والے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ کی طرف ہجرت فرمائی وہاں قرآن نازل ہوا وہیں پر حلال کو حلال اور حرام کو حرام کیا گیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے درمیان تشریف فرما ہوتے، وہ لوگ وحی وتنزیل کے دوران بارگاہ رسول میں حاضر رہتے، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم انہیں حکم دیتے وہ حکم مانتے، شریعت کی باتیں بتاتے وہ اتباع کرتے، یہاں تک کہ سرکار پردہ فرما گئے اور اللہ کی رحمت وبرکت اور صلوۃ وسلام نے انہیں ڈھانپ لیا ____ پھر آپ کے بعد آپ کی امت اپنے درپیش معاملہ میں نازل ہونے والی کتاب کی پیروی کرنے

لگی لوگوں کو جو علم تھا، اس پر عمل کیا اور جو معلوم نہ ہوا اس کے بارے میں سوال کیا، پھر لوگوں نے جسے اپنے زمانے کے لیے مسائل میں اجتہاد میں اقوی پایا، اس کے قول کو اختیار کیا اگر کسی مخالف نے ان کی مخالفت کی یا اس سے اقوی و اولی شخص نے کوئی بات کہی تو پہلے کے قول کو ترک کر دیا۔ (المدارک ص ۴۴)

امام مالک کے اس خط سے ظاہر ہے، کہ آپ اہل مدینہ کے قول کو لازم الاختیار سمجھتے تھے اور ان کے علاوہ کے قول کو جو ان کے قول و عمل کا مخالف ہوتا، ترک کر دیتے تھے، اس کی وجہ انہوں نے خود بیان کی، کہ وہ بارگاہ رسول کے حاضر باش، عہد رسول سے قریب، حیات رسول کے چشم دید اور سنت رسول سے واقف تھے، اس لیے وہ اسلام اور سنت رسول کریم کو زیادہ جانتے تھے، ان کے قول پر عمل سنت رسول پر عمل کا درجہ رکھتا ہے۔

حضرت امام مالک کا اعتماد عمل اہل مدینہ پر اس قدر بڑھا ہوا تھا، کہ بعض اوقات اہل مدینہ کے عمل کو خبر آحاد پر مقدم کرتے اور فرماتے یہی مشہور رائے اہل مدینہ کا معمول ہے اور یہی مشہور و منقول سنت ہے۔ سنت مشہورہ خبر آحاد پر مقدم ہوتی ہے، یہ تنہا امام مالک کا مسلک نہ تھا، بلکہ آپ سے پہلے دوسرے چند علما اس منہج پر عمل کر چکے تھے، امام مالک کے استاذ حضرت ربیعہ رائی کہتے ہیں:

الف عن الف خير من واحد عن واحد .

ہزار کی ہزار سے روایت ایک کی ایک کی روایت سے بہتر ہے۔

امام مالک کا بیان ہے:

متعدد اہل علم اور تابعین ایسی حدیثیں بیان کرتے، جن سے ہم ناواقف ہوتے، لیکن عمل ان کے خلاف ہو رہا تھا، میں نے محمد بن ابو بکر عمرو بن حزم کو دیکھا، وہ قاضی تھے، ان کے بھائی عبداللہ کثیر الحدیث اور سچے مرد تھے، میں نے سنا، کہ جب محمد کسی ایسے قضیہ کا فیصلہ کرتے جس سے متعلق حدیث وارد ہوتی اور وہ حدیث ان کی قضا کی مخالف ہو جاتی، عبداللہ ان پر عتاب فرماتے اور کہتے کیا اس سلسلے میں یہ حدیث نہیں

آئی ہے؟ محمد کہتے، کیوں نہیں عبداللہ کہتے تو پھر آپ اس کے ذریعہ فیصلہ کیوں نہیں فرماتے اس پر محمد کہتے:

فاین الناس عنه یعنی ان ما اجمع علیه الصلحاء بالمدینة فالعمل به اقوی۔

لوگوں کا کیا ہوگا، یعنی مدینہ کے صلحا نے جس پر اتفاق کرلیا ہے، اس پر عمل اقوی ہے۔

معلوم ہوا، کہ خبر آحاد پر عمل اہل مدینہ کو ترجیح دینے کا مسلک امام مالک کا ایجاد کردہ نہیں ہے، بلکہ آپ سے پہلے اہل علم اور تابعین بھی اس مسلک پر عمل پیرا ہو چکے ہیں، لیکن چوں کہ اوروں کی بہ نسبت امام مالک نے عمل اہل مدینہ پر اعتماد زیادہ کیا ہے اور اسے اپنے فتاوی میں بکثرت بطور حجت پیش کیا ہے اور آپ کے بعض فتاوی خبر واحد کے خلاف مدون ہیں، اس لیے لوگوں نے آپ کو احتجاج بعمل اہل مدینہ کا موجد خیال کرلیا ہے، حالاں کہ آپ اس میں متبع ہیں۔

قیاس

حضرت امام مالک پچاس سال سے زائد عرصہ تک افتا میں مشغول رہے، زمین کے مشرق سے مغرب تک حاجت مند استفتا کے لیے آپ کی بارگاہ کا قصد کرتے، دن بدن ختم نہ ہونے والے نت نئے مسائل رونما ہوتے، ایسی صورت میں ضرورت تھی، فہم نصوص اور ان کے معانی قریبہ وبعیدہ کی معرفت کی، تاکہ ایسے مسائل جن کا حل ظاہر نص، سنت مشہورہ اور فتاواے صحابہ میں موجود نہ ہو ان کا شرعی حکم معلوم ہو سکے، چنانچہ اس مقصد خیر کے لیے امام مالک جیسے فقیہ کے لیے ضروری ہوگیا، کہ قیاس کا سہارا لیں۔

قیاس فقہ اسلامی میں کسی ایسے امر کو جس کا حکم منصوص نہ ہو کسی علت جامعہ مشترکہ کی وجہ سے دوسرے ایسے امر کے ساتھ لاحق کرنے کا نام ہے، جس کا حکم منصوص ہو ان دونوں امروں میں تماثل کی وجہ سے ایک کے حکم کی معرفت دوسرے کے حکم کی معرفت کو لازم کرتی ہے۔

قیاس کی تعلیم خود پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے دی ہے، چنانچہ مروی ہے، کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے بارگاہ رسول میں عرض کی، یارسول اللہ! میں ایک بڑا کام کرگیا، میں نے روزے کی حالت میں بوسہ لے لیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، تمہارا کیا خیال ہے، اگر تم نے بحالت روزہ پانی سے کلی کرلی، حضرت عمر نے عرض کی، میں اس میں کوئی حرج نہیں جانتا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''فصُم'' تو تم روزہ پورا کرلو۔ (مالک ص ۲۹۴)

دیکھا آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے روزہ کی حالت میں کلی کرنے اور بوسہ لینے کے درمیان ربط بیان کیا اور دونوں کی مماثلت پر تنبیہ فرماکر دونوں کے حکم کو مساوی قرار دیا، کہ جس طرح محض کلی سے روزہ نہیں جاتا محض بوسہ سے بھی روزہ نہ ٹوٹے گا۔

حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے جن مسائل کو نصوص ظاہرہ میں نہ پایا، استخراج احکام کے لیے انہیں بعض دوسرے نصوص پر اشیائے متماثلہ کے اندر حکم میں تساوی کی وجہ سے محمول کیا، چنانچہ علامہ مزنی لکھتے ہیں:

الفقهاء من عصر رسول الله صلى الله عليه وسلم الى يومنا استعملوا المقايس فى جميع الاحكام فى امر دينهم واجمعوا على ان نظير الحق حق ونظير الباطل باطل فلايجوز لاحد انكار القياس لانه تشبيه بالامور والتمثيل عليها . (مالک ص ۲۹۵)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے سے اب تک فقہا نے دینی معاملات کے اندر تمام احکام میں قیاس کا استعمال کیا ہے اور اس بات پر اتفاق کیا ہے، کہ حق کی نظیر حق اور باطل کی نظیر باطل ہے، لہٰذا کسی کے لیے قیاس سے انکار جائز نہ ہوگا کیوں کہ قیاس امور کی تشبیہ اور ان کی تمثیل ہے۔

امام مالک اس مسلک صحابہ کے راہ رو تھے، علت پائے جانے میں اشیا کے تماثل کے وقت حکم میں ان کے درمیان تساوی کو اختیار کرتے، مالکیوں نے اتفاق کیا ہے، کہ آپ قیاس کا سہارا لیتے تھے، ہم دیکھتے ہیں، کہ بعض مسائل جن کے احکام فتاوائے صحابہ میں موجود ہیں ان پر آپ نے بعض دوسرے مسائل کو قیاس کیا ہے۔ چنانچہ اس کی ایک مثال ملاحظہ ہو!

حضرت امام مالک نے مفقود شوہر جس کی موت کا حکم لگا دیا گیا اور اس کی بیوی نے وفات کی عدت گزار کر دوسرے شخص سے شادی کر لی، پھر مفقود کا زندہ ہونا معلوم ہو گیا، تو اس کی بیوی کے حال کو اس عورت کے حال پر قیاس کیا ہے، جس کے شوہر نے اسے طلاق دے دی اور اپنی بیوی کو طلاق کے بارے میں بتا دیا پھر رجعت کر لی اور رجعت کا علم بیوی کو نہ ہوا اور بیوی نے عدت گزارنے کے بعد دوسرے سے شادی کر لی، حضرت امام مالک نے مفقود کی بیوی کے حال کو مطلقہ پر اس لیے قیاس کیا کہ مطلقہ کے بارے میں حکم دیا ہے، کہ وہ دوسرے شوہر کی بیوی ہے، اگر چہ اس نے دخول کیا ہو یا نہ کیا ہو، علت جامعہ کی بنیاد پر امام مالک نے مفقود کی بیوی کو اس پر قیاس کر کے فرمایا، کہ وہ دوسرے شوہر کی بیوی ہے، اگر چہ اس نے دخول کیا ہو یا نہ کیا ہو۔

(مؤطا ج ۳ ص ۵۷)

حضرت امام مالک کے مذکورہ بالا قیاس کی اساس دونوں کے حالوں کے درمیان مماثلت ہے، بایں طور کہ ان دونوں نے شرعی طریقے پر ثابت شرعی علم کی بنیاد پر حسن نیت کے ساتھ شادی کی، لیکن اس کے بعد اس کی خطا ظاہر ہوئی اور اس کے ظہور سے پہلے خطا کی معرفت کا کوئی طریقہ نہ تھا، مفقود کی بیوی نے حکم شرعی کی اساس پر شادی کی اور مطلقہ نے طلاق اور انتہائے عدت کی بنا پر شادی کی، مفقود کی بیوی کے لیے اس کی زندگی کی معرفت کا کوئی راستہ نہ تھا اور مطلقہ کے لیے رجعت کی معرفت کی کوئی راہ نہ تھی، اس طرح دونوں کے حال متماثل تھے، اس مماثلت کی وجہ سے دونوں پر حکم بھی ایک لگایا گیا۔

حضرت امام مالک تماثل پائے جانے پر قرآن وسنت میں منصوص احکام اور

فتاوائے صحابہ، اجماع، عمل اہل مدینہ میں مذکور امور پر قیاس کر کے مسائل کا استنباط فرماتے تھے، صرف یہی نہیں بلکہ قیاس کے ذریعہ مستنبط مسائل پر بھی قیاس کرتے تھے، چنانچہ ابن رشد لکھتے ہیں:

اذا علم الحكم في الفروع صار اصلا وجاز القياس عليه بعلة اخرى مستنبطة منه ايضا فثبت الحكم فيه فصار اصلا وجاز القياس عليه الى مالا نهاية له .

جب حکم فروع میں معلوم ہو تو وہ اصل ہوگا اس پر اس سے مستنبط ہونے والی دوسری علت کی وجہ سے قیاس جائز ہوگا اور اس میں حکم ثابت ہوگا وہ بھی اصل ہو جائے گا اور اس پر بھی قیاس جائز ہوگا یہ سلسلہ لانہایہ تک جاری ہوگا۔ (المقدمات ج ۱ ص ۲۲)

استحسان

استحسان ایسی دلیل شرعی کو کہتے ہیں، جو قیاس جلی کی مخالف ہوتی ہے، جس میں تعامل ناس اور لوگوں کے اجماع کی وجہ سے قیاس کو ترک کر دیا جاتا ہے، اس کا مقصود لوگوں سے مضرت کو دور کرنا، دفع حرج اور پاس مصلحت ہے، اگر کوئی ایسا امر درپیش ہو، کہ شریعت سے اس کے جواز کا ثبوت نہ ملتا ہو اور عدم جواز کی صورت میں لوگوں کا نقصان اور مصلحت کا فقدان ہو تو ایسی صورت میں امام مالک قیاس کو چھوڑ کر استحسان پر فتویٰ دیتے ہیں، وہ فقیہ وقت اور امام دارالہجرت تھے، دین کی روح سے انہیں کامل واقفیت تھی، دین لوگوں کے دنیاوی و اخروی مصالح کے پیش نظر آیا تھا، لہٰذا استحسان پر عمل اور قیاس کے ترک کو دین کا مغز اور فقہ دین کی اصل قرار دیتے تھے۔ قرآن حکیم میں ہے۔

وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ ۔ (حج ۷۸)

اور دین میں تم پر حرج نہیں رکھا۔

يُرِيْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ ۔ (بقرہ ۱۸۵)

اللہ تمہارے لیے آسانی چاہتا ہے تنگی نہیں۔ رسول رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''لاضرر ولاضرار'' نہ خود مشقت میں مبتلا ہو اور نہ دوسروں کو مشقت میں ڈالو۔

خلیفہ دوم حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے فتاوی اور قضایا میں بھی استحسان کی مثال موجود ہے، چنانچہ مسئلہ ہے، کہ حقیقی بھائیوں کو تعصیب (عصبہ ہونے) کی بنیاد پر میراث ملتی ہے، اگر ورثہ میں تقسیم میراث کے بعد کچھ بھی نہ بچے، جو بطور عصبہ انہیں مل سکے، تو ایسی صورت میں حضرت عمر نے استحسان پر عمل کیا ہے۔ اس کی مثال ملاحظہ ہو!

میت نے شوہر، ماں، دو اخیافی بھائی اور دو حقیقی بھائی چھوڑے، تو قیاس کے مطابق اس صورت میں شوہر کو نصف، ماں کو سدس، اخیافی بھائیوں کو ثلث اور حقیقی بھائیوں کو کچھ بھی نہ ملے گا، حالاں کہ وہ بھی ماں کی اولاد ہیں، ماں کے ذریعہ میت کے قریبی رشتے دار ہیں، یہ ایک عجیب بات ہوتی، اگر انہیں میراث سے کچھ بھی نہ دیا جاتا اور اخیافی بھائیوں کو ثلث مل جاتا اسی وجہ سے حضرت عمر نے اولاد ام کا اعتبار کر کے اخیافی بھائیوں کے ثلث میں ان حقیقی بھائیوں کو بھی شریک کیا، حضرت عمر کے اس فتویٰ کی دلیل استحسان ہے۔ (مالک ص ۳۰۲)

دین کی اسی روح کے اقتضا کے پیش نظر امام مالک استحسان پر فتویٰ دیتے تھے، آپ استحسان کو ''تسعة اعشار العلم'' سمجھتے تھے، چنانچہ شاطبی ''الموافقات'' میں اصبغ سے نقل کرتے ہیں، کہ انہوں نے کہا:

> سمعت ابن القاسم يقول ويروى عن مالك انه قال تسعة اعشارا لعلم الاستحسان ۔(الموافقات ج ۴ ص ۱۱۸)
>
> میں نے ابن قاسم کو فرماتے ہوئے سنا، کہ وہ حضرت مالک سے روایت کرتے ہیں، کہ انہوں نے فرمایا، علم کے دس حصوں میں سے نو حصے استحسان ہیں۔

ذیل میں ہم چند مسائل لکھتے ہیں، جن میں امام مالک نے استحسان پر فتویٰ دیا ہے:

(۱) قرض جو اصل میں ربا ہے، اس لیے کہ وہ مقررہ مدت تک درہم سے درہم

کے مبادلے کا نام ہے، اسے امام مالک نے مباح قرار دیا ہے، اس لیے کہ اس کی اباحت ہی میں لوگوں کے لیے آسانی اور گنجائش ہے، اگر ربا کا اعتبار کر کے اس کی اصل ''منع'' پر باقی رکھتے تو لوگ حرج میں پڑ جاتے۔

(۲) لوگوں کے ستر کو دیکھنا حرام ہے، دوا علاج کے لیے دیکھنا امام مالک نے حلال قرار دیا ہے، کیوں کہ اگر حلت کا فتویٰ نہ دیا جاتا، بلکہ اصل قاعدے حرمت کا اعتبار کیا جاتا تو لوگوں کے لیے حرج لازم آتا، لہٰذا استحساناً اباحت کا فتویٰ دیا۔

(۳) قاعدہ شرعیہ ہے، کہ گواہ غیر عادل ہو تو اس کی گواہی قبول نہ کی جائے گی، لیکن امام مالک نے اس شہر میں جہاں کوئی عادل نہ پایا جاتا ہو استحسان پر عمل کرتے ہوئے شاہد غیر عادل کی گواہی قبول فرمانے کا حکم دیا ہے، کیوں کہ اگر اصل قاعدہ پر فتویٰ دیتے تو لوگوں کو مشقت کا سامنا کرنا پڑتا۔ (مالک ص ۳۰۴،۳۰۲)

استصحاب

کسی چیز کو اس کی پہلی حالت پر رکھنا اس کے خلاف دلیل نہ پائے جانے کی وجہ سے استصحاب کہلاتا ہے، بالفاظ دیگر ماضی میں کسی چیز کے جواز یا عدم جواز کے حکم کا بطور دوام و استمرار اس وقت تک باقی رہنا جب تک کہ اس کا حکم بدلنے والی کوئی دلیل نہ پائی جائے، جیسے اسباب ملکیت میں سے کسی سبب مثلاً بیع یا میراث وغیرہ کے ذریعے کسی کے لیے ملکیت ثابت ہو جائے تو یہ ثبوت ملکیت مستمر ہوگا حتی کہ اس کو زائل کرنے والی کوئی دلیل قائم ہو جائے۔

حضرت امام مالک نے استصحاب کو فقہی استنباط کی ایک اصل اور حجت قرار دیا ہے اور متعدد مسائل میں استصحاب کو دلیل بنایا ہے، ذیل میں چند مثالیں ملاحظہ ہوں!

(۱) کوئی شخص مفقود ہو گیا اور اب یہ نہیں معلوم کہ زندہ ہے یا مر گیا، تو ایسی صورت میں امام مالک فرماتے ہیں، کہ اسے اس وقت تک اس کی پہلی حالت ''حیات'' میں مانا جائے گا اور اسے زندوں کا حکم دیا جائے گا، جب تک کہ اس کی وفات پر کوئی دلیل نہ پائی جائے یا ایسی نشانیاں قائم ہو جائیں، جن کی بنیاد پر اس کے مرنے کا غالب ظن ہو جائے

اور قاضی اس کی وفات کا حکم لگادے، اس کے فقد (گم ہونا) اور موت کے حکم کے درمیانی عرصہ میں بھی اسے زندوں ہی کے حکم میں رکھا جائے گا، زندوں کے حکم میں رکھنے کا مطلب یہ ہے اس کے مورث کی میراث سے اسے حصہ دیا جائے گا اور اس کی جائداد اس کے ورثہ پر تقسیم نہ ہوگی وغیرہ وغیرہ۔

(۲) کسی نے شکار پر تیر چلایا، شکار پانی میں بھاگا، پھر اسے پانی میں ڈوبا ہوا پایا گیا، تو ایسی صورت میں امام مالک فرماتے ہیں، کہ یہ شکار حرام ہے، کیوں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

وان وجدته غريقا فلا تاكله فانك لاتدرى الماء قتله ام سهمك ۔

اگر تم اسے ڈوبا ہوا پاؤ تو اسے نہ کھاؤ کیوں کہ تم نہیں جانتے کہ پانی نے اسے ہلاک کیا ہے یا تمہارے تیر نے۔ امام مالک فرماتے ہیں، کہ اصل ذبائح میں تحریم ہے اور یہاں شک ہے کہ مبیح (حلال کرنے والی) شرط پائی گئی یا نہیں لہٰذا اصل پر باقی رکھتے ہوئے جانور کو حرام گردانا جائے گا۔

(۳) کسی کو شک ہوا، کہ اسے حدث لاحق ہوا ہے یا نہیں؟ تو امام مالک فرماتے ہیں، کہ وہ اس وقت تک نماز نہ پڑھے جب تک کہ دوسرا وضو نہ کر لے کیوں کہ بقائے طہارت بھی یہاں پائی جاتی ہے اور بقائے ذمہ صلوۃ بھی، یہاں دوسری بقا کو ترجیح دیں گے، اس لیے کہ شک کی بنیاد پر اس کے لیے نماز نہ پڑھنا اولیٰ ہے۔

مصالح مرسلہ

اسلامی قانون اور فقہ میں بندوں کی مصلحت کا پاس ولحاظ رکھا گیا ہے، جس چیز میں منفعت نظر آئی، اسے جائز قرار دیا گیا اور جس میں مضرت پائی گئی، اس سے روک دیا گیا، یہی وجہ ہے، کہ آپ دیکھتے ہیں، کہ ایک ہی چیز کسی حالت میں مصلحت نہ ہونے کی وجہ سے ممنوع ہوتی ہے اور وہی شی دوسری صورت میں مصلحت کے پیش نظر جائز ومباح

ہوتی ہے، چنانچہ اس کی زندہ مثال مقررہ مدت تک درہم کا درہم سے مبادلہ ہے، کہ اگر یہ بطور بیع وفروخت ہو تو ممنوع ہے اور اگر بطور قرض ہو تو جائز ہے۔

قرآن کریم اور احادیث نبویہ سے مصلحت کا ثبوت ملتا ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيٰوةٌ يَّا أُولِي الْأَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ۔(البقرہ ۱۷۹)

دوسرے مقام پر ہے:

اِنَّمَا يُرِيْدُ الشَّيْطَانُ اَنْ يُّوْقِعَ بَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَاءَ فِي الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ وَيَصُدَّكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَعَنِ الصَّلٰوةِ (مائدہ ۹۱)

حدیث پاک میں ہے:

لایقضی القاضی وھو غضبان ۔

دوسری حدیث میں ہے:

کل مسکر حرام ۔

ایک اور حدیث میں مصلحت کو یوں بیان کیا گیا ہے۔

القاتل لا یرث ۔

صحابہ کرام اور خلفاے راشدین بھی مصلحت کو دلیل شرعی سمجھتے تھے، چنانچہ انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پردہ فرمانے کے بعد بہت سے ایسے امور انجام دیے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں جن کا وجود نہ تھا، انہوں نے قرآن کریم کو مصحف میں جمع کر دیا، جب کہ حضور کے زمانہ میں قرآن مصحف میں مکتوب نہ تھا، انہوں نے اس لیے ایسا کیا، کہ مصلحت قرآن کے جمع وتدوین کی مقتضی تھی، اگر قرآن کو جمع نہ کیا جاتا، تو خوف تھا، کہ حفاظ قرآن صحابہ کے مرنے کے بعد لوگ قرآن کو بھول جاتے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مصلحتاً پانی ملا ہوا دودھ گرا دیا تا کہ پانی ملانے والے کی تادیب ہو اور لوگ پانی نہ ملائیں وغیرہ وغیرہ۔

حضرت امام مالک نے صحابہ کے اسی مسلک پر چلتے ہوئے ''مصالح مرسلہ'' کو ایک مستقل دلیل شرعی اور دینی اصل قرار دیا ہے اور آپ کے متعدد فتاویٰ مصالح مرسلہ کی رعایت کے ساتھ صادر ہوئے ہیں، ذیل میں ہم دو مثالیں پیش کرتے ہیں:

(۱) حضرت امام مالک نے مفضول کی بیعت کو جائز قرار دیا ہے، مفضول وہ شخص ہے، جس سے بہتر شخص پائے جانے کے باوجود اس کو خلیفہ بنا دیا گیا ہو، مفضول کی بیعت کے اس جواز میں مصلحت یہ ہے، کہ اگر اس کو باطل قرار دے دیا جائے تو بہت سے امور میں فساد اور خلل واقع ہونے کا اندیشہ ہے۔ دنیا میں لوگوں کے منافع کے غارت ہونے کا خوف ہے اور ایک بہت بڑا خطرہ یہ ہے کہ اگر ایسے شخص کی بیعت نہ کی جائے تو ایک ساعت میں ایسے مظالم رونما ہو جائیں کئی سالوں میں جو رونما نہ ہو سکیں۔

(۲) جب بیت المال خالی ہو جائے یا لشکر کی ضرورتیں درپیش ہوں اور بیت المال میں بقدر کفایت مال نہ ہو تو حضرت امام مالک نے بادشاہ اسلام کے لیے جائز قرار دیا ہے، کہ وہ مالداروں پر اتنا وظیفہ مقرر کرے، جسے وہ کافی خیال کرے، یہاں تک کہ بقدر کفایت مال جمع ہو جائے، بادشاہ کے لیے مناسب ہے، کہ یہ وظیفہ غلہ کٹنے اور پھلوں کے توڑنے کے زمانے میں وصول کرے تاکہ اغنیا کے دلوں میں یہ وحشت پیدا نہ ہو کہ وظیفہ کے لیے انہیں کیوں خاص کیا گیا۔ اس میں مصلحت یہ ہے، کہ اگر امام عادل ایسا نہ کرے تو اس کی شوکت باطل ہو جائے گی، اس کے دیار میں فتنوں کا بازار گرم ہو جائے گا اور دشمن اس پر استیلا کے لیے معرکہ آرائی پر تل جائے گا۔

سد ذرائع

ذرائع ذریعہ کی جمع ہے، جس کا معنی وسیلہ ہے، سد ذرائع کو امام مالک نے اپنے فقہی اصول میں شمار کیا ہے، اس کا مطلب دفع ذرائع ہے، لہٰذا جو چیز حرام کا وسیلہ ہے وہ حرام ہے، مثلاً زنا حرام ہے، اجنبی عورت کی شرمگاہ کو دیکھنا زنا کا ذریعہ ہے لہٰذا وہ بھی حرام ہے، اگرچہ امام مالک کا سد ذرائع پر بہ نسبت فتح ذرائع کے عمل زیادہ ہے، پھر بھی فتح ذرائع سد ذرائع ہی کی طرح دلیل شرعی ہے، فتح ذرائع سے مراد جس کی طلب میں

مصلحت ہو اسے مطلوب بنانا، لہٰذا واجب کا ذریعہ واجب ہو گا مثلاً جمعہ فرض ہے، تو اس کے لیے سعی فرض ہو گی، سعی کے لیے ترک بیع بھی فرض ہو گا۔

قرآن و حدیث سے ذرائع کا ثبوت ملتا ہے، چنانچہ ارشاد ربانی ہے:

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقُوْلُوْا رَاعِنَا وَقُوْلُوا انْظُرْنَا وَاسْمَعُوْا ۔(البقرہ ۱۰۴)

مسلمانوں کا قصد ان کے قول ''راعنا'' سے حسن تھا، لیکن یہود نے اسے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو گالی دینے کا ذریعہ بنالیا تھا، لہٰذا مسلمانوں کو اس سے روک دیا گیا۔

حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ''احتکار'' سے منع فرمایا، احتکار کا مطلب ہے، غلہ روک کر رکھنا تا کہ قیمت بڑھ جائے تو اسے فروخت کریں، احتکار سے اس لیے منع فرمایا، کہ یہ لوگوں پر تنگی کا ذریعہ اور ان کی ضروریات کو روکنے کا وسیلہ ہے، یہی وجہ ہے کہ جس احتکار میں مسلمانوں کا ضرر نہیں وہ درست ہے، مثلاً زینت وغیرہ کے سامان میں احتکار جائز ہے، کیوں کہ یہ ضروریات سے نہیں۔

حضرت امام مالک کی فقہ کے مطالعے سے آشکار ہوتا ہے، کہ انہوں نے بہت سے مسائل میں ذرائع کا بطور دلیل شرعی اعتبار کیا ہے اور ذرائع پر متعدد فتوے دیے ہیں، ذیل میں ہم دو مثالیں پیش کرتے ہیں:

(۱) کسی تاجر کا دوسرے شخص کے مقابلے میں اپنا سامان کم قیمت پر فروخت کرنا مباح ہے، مگر جب مقابل کے نقصان کی نیت ہو تو یہ عمل حرام ہے، کیوں کہ اس کا یہ فعل ذریعہ حرام ہو گا کہ اپنے دوسرے بھائی کو ضرر پہنچانا چاہتا ہے، اور مسلمان بھائی کو ضرر پہنچانا حرام ہے۔

(۲) کسی کو بطور رشوت مال دینا حرام ہے، لیکن اگر کسی کو اس نیت سے رشوت پر مال دے کہ وہ شخص جس معصیت کا ارادہ رکھتا ہے، اس کا مرتکب نہ ہو تو اس کا یہ فعل جائز ہے، کیوں کہ اس میں طلب مصلحت ہے اس لیے کہ معصیت کا ضرر بطور رشوت مال دینے کے ضرر سے شدید ہے۔

عادات وعرف

عرف ایسا امر ہے، جس پر لوگوں کی جماعت اپنی زندگی میں متفق رہی ہو، عادت وہ عمل جو افراد یا جماعتوں سے بتکرار صادر ہو کسی امر کی جب کوئی جماعت عادت بنالے تو وہ امر عرف ہو جاتا ہے، حضرت امام مالک نے عرف و عادت کو فقہی اصل قرار دیا ہے اور جس مسئلہ میں نص قطعی نہ ہو اس میں عرف و عادت کا بطور دلیل شرعی اعتبار کیا ہے، یوں تو مذہب حنفی میں بھی عرف و عادت معتبر ہے، لیکن اس سے کہیں زیادہ معتبر مذہب مالکی میں ہے کیونکہ فقہ مالکی نے استدلال کے لیے مصالح کو ستون کی منزل میں رکھا ہے اور بلاشبہ ایسے عرف کی رعایت جس میں کوئی فساد نہ ہو ایک طرح کی مصلحت ہے، کسی فقیہ کے لیے مناسب نہیں کہ اسے ترک کرے بلکہ اس کو اختیار کرنا ضروری ہے، امام مالک نے تو عرف کو وہ درجہ دیا ہے کہ اگر قیاس عرف کا مخالف ہو تو وہ عرف کو ترجیح دیتے ہیں۔

ذیل میں قرافی کی کتاب ''الفروق'' سے چند مثالیں درج کی جاتی ہیں، جن میں حضرت امام مالک نے عرف کا اعتبار کیا ہے۔

(۱) اگر کسی نے ایسی زمین خریدی جس میں درخت ہو یا عمارت تعمیر کی گئی ہو تو زمین کی بیع میں درخت اور عمارت دونوں داخل ہوں گے۔

(۲) کسی نے گھر خریدا، تو گھر کی بیع میں اس کی سیڑھی، دروازے اور کپڑا لٹکانے کی کھونٹیاں، رسیاں اور لکڑیاں بھی داخل ہوں گی۔

(۳) دو شخصوں نے بطور شرکت عقد بیع کیا اور اس بیع میں حصے کو مطلق رکھا تو ایسی صورت میں دونوں نصف نصف کے شریک ہوں گے۔

(الفروق للقرافی ج ۳ ص ۲۸۷) (ماخوذ از مالک حیاتہ وعصرہ محمد ابوزہرہ مصری ص ۲۲۷ تا ۳۶۴)

فقہ مالکی کے اہم ناشرین

حضرت امام مالک پوری زندگی جوار رسالت سے جدا نہیں ہوئے، انہوں نے فریضہ حج کے علاوہ کبھی مدینہ منورہ سے باہر قدم نہیں نکالا، اس بنا پر انہوں نے دوسرے ائمہ متقدمین ومحدثین کی طرح اسلامی بلاد وامصار کے طول وطویل سفر اپنی ضرورت یا لوگوں کی خواہش پر ہرگز نہ کیے، اس کے باعث آپ کی علمی، فقہی جامعیت اور کمال کا یہ حال تھا، کہ لوگ دور دراز شہروں ملکوں سے مدینۃ الرسول کا سفر کر کے امام مالک سے فقہ وحدیث کا درس لینے اور مسائل شرعیہ دریافت کرنے کی غرض سے حاضر ہوا کرتے تھے، تلامذہ کے ذیل میں ان کا اجمالی ذکر آچکا ہے، امام مالک سے ان کی مؤطا اور ان کے فقہی واجتہادی اقوال وآرا انہیں مستند، معتبر شاگردوں کے ذریعے پورے بلاد اسلامی میں مشتہر ہوئے، آپ کی فقہ دو طریقوں سے منظر عام پر آئی۔

(الف) مؤطا کے وہ نسخے جنہیں امام مالک نے قلمبند کرایا اور جن کی ان سے بلاد اسلامی میں روایت کی گئی، احادیث واخبار کے علاوہ مؤطا آپ کے فقہی اقوال وآرا کا مجموعہ ہے۔

(ب) امام مالک کے وہ ارشد تلامذہ جنہوں نے آپ کی بارگاہ سے فیض حاصل کیا، فتوے پوچھے، مسائل کا حل دریافت کیا، انہیں سینوں میں محفوظ کیا اور اپنے اپنے اماکن ودیار میں جا کر ان کی اشاعت کی، چوں کہ امام مالک کے تلامذہ کی تعداد بہت زیادہ ہے، ظاہر ہے ان میں سے اکثر نے فقہ مالکی کو اختیار کیا اور اس کے مطابق فتویٰ بھی دیا، لیکن ان سب کا احاطہ ممکن نہیں، اس لیے چند اہم اور خاص تلامذہ کے ذکر پر اکتفا کیا

جاتا ہے اور ان کے مختصر احوال ہدیہ قارئین کیے جاتے ہیں۔

(۱) عبداللہ بن وہب ۱۲۵ھ تا ۱۹۷ھ

آپ حسب ونسب کے اعتبار سے بربری ہیں، اور ولاءً قرشی ہیں، مصر کے باشندے تھے، پہلے لیث بن سعد، سفیان بن عیینہ، سفیان ثوری سے حدیث پڑھی، اس کے بعد امام دارالہجرت سے اس طرح وابستہ ہوگئے، کہ بیس سال تک آپ کی خدمت سے جدا نہ ہوئے اور پورے انہماک واشتغال کے ساتھ امام مالک کے بحر علم سے ان کے وصال تک آسودہ ہوتے رہے اور علم وفقہ کے اس مقام تک پہنچے، کہ امام مالک نے انہیں فقیہ مصر کا لقب عطا کیا، آپ کی علمی شان کے بارے میں امام اصبغ کا قول ہے:

ابن وهب اعلم اصحاب مالك بالسنن والآثار الاانه روى عن الضعفاء .

ابن وہب امام مالک کے شاگردوں میں سب سے بڑے سنن وآثار کے عالم تھے، مگر انہوں نے ضعیف راویوں سے بھی روایت کیا ہے۔

امام احمد فرماتے تھے: ابن وہب کو قدرت نے عقل، دین، صلاح سب کچھ دیا تھا، وہ حدیث کی صحت کا بڑا لحاظ کرتے تھے۔

امام مالک کی وفات کے بعد مؤطا کے سماع کے لیے سب سے پہلے تشنگان علوم نبوی انہیں کی طرف متوجہ ہوئے، خود امام یحییٰ نے جو مؤطا کے متداول نسخے مرتب کیے ہیں، اس کا ایک حصہ کا امام مالک سے سماع نہیں کرسکے تھے ان سے پورا کیا۔

امام مالک کے مشہور شاگرد سحنون کا بیان ہے، کہ ابن وہب نے پورے سال کو تین کاموں کے لیے تقسیم کر رکھا تھا، جس میں چار ماہ درس وتدریس کے لیے مخصوص تھے، ان کو یہ فخر بھی حاصل تھا، کہ خود ان کے اساتذہ میں لیث اور امام مالک نے ان سے روایتیں کی ہیں۔

آپ کے چند مشہور تلامذہ کے نام یہ ہیں:

عبدالرحمٰن بن مہدی، یحییٰ بن یحییٰ، عبداللہ بن یوسف، علی بن مدینی، یحییٰ بن بکیر، احمد بن صالح، اصبغ بن فرج، سحنون، احمد بن سعید دارمی۔

(۲) امام عبدالرحمٰن بن قاسم

ابوعبداللہ عبدالرحمٰن بن قاسم بن خالد بن جنادہ مصر کے باشندے تھے، ولادت ۱۲۸ھ میں ہوئی، طلب علم کا شوق بچپن ہی سے تھا، جس کے لیے رحلت وسفر کی صعوبتیں بھی برداشت کیں اور مال و دولت خرچ کرنے میں بھی کوتاہی نہ کی، دیگر شیوخ واساتذہ کے علاوہ امام مالک سے خصوصی استفادہ کیا، خود بیان کرتے ہیں، ایک شب عالم خواب میں مجھے خبر دی گئی، کہ تمہیں علم سے اس قدر شغف وانہماک ہے، تو عالم آفاق کی صحبت اختیار کرو، میں نے پوچھا، وہ عالم آفاق کون ہے؟ بتایا گیا امام مالک، چنانچہ اس غیبی اشارہ کے بعد وہ امام صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے اور پورے بیس سال تک اپنے سینے کو مالکی علوم کا گنجینہ بنانے میں مصروف رہے، امام صاحب سے انہوں نے بیس کتابوں کا سماع کیا تھا۔ (شذرات الذہب ج ا ص ۳۲۹)

امام مالک کے علاوہ عبدالرحمٰن بن شریح، بکر بن مضر، نافع بن ابی نعیم، یزید بن عبدالملک سفیان بن عیینہ سے تحصیل علم کیا۔

آپ سے کسب علم کرنے والے مشہور تلامذہ یہ ہیں:

سعید بن عیسیٰ، محمد بن سلمی، حارث بن مسکین، سحنون بن سعید، عبدالرحمٰن بن ابی النعمر، محمد بن عبداللہ، عیسیٰ بن حماد۔ (تہذیب ج ۶ ص ۲۵۳)

امام دارالہجرت کی تعلیم وتربیت نے آپ کو فقہ میں کمال عطا کر دیا تھا، اور وہ فقہ مالکی کا سرچشمہ بن گئے تھے، چنانچہ فقہ مالکی کی تدوین کا اساسی پتھر انہوں نے ہی رکھا اور اس فقہ کو عام کرنے کی سعی بلیغ فرمائی۔ (ایضا)

ایک مرتبہ امام مالک سے ابن وہب اور ابن قاسم کے بارے میں سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا، ابن وہب عالم ہیں اور ابن قاسم فقیہ۔

ابن حبان لکھتے ہیں:

كان حبرا فاضلا ممن تفقه على مالك وفرع على اصوله وذب عنها ونصر من افتحلها . (ایضا)

ابن قاسم بڑے عالم وفاضل تھے اور فقہ مالکی کے متبع علما میں سے تھے جنہوں نے اس مذہب کے فروع متعین کیے اور اس کی طرف سے ہمیشہ دفاع اور اس کے متبعین کی ہمیشہ حمایت کرتے رہے۔

ان کے ہم پایہ معاصر عبداللہ بن وہب کا قول ہے:

ان عرفت هذالشان يعنى فقه مالك فعليك ابن القاسم فانه انفرد به . (مالک ص ۲۰۵)

اگر فقہ مالکی میں مہارت پیدا کرنا چاہو تو ابن قاسم کی صحبت اختیار کرو کیوں کہ وہ اس میں منفرد اور یکتا ہیں

مؤطا امام مالک کے معتبر راوی ہیں۔امام نسائی فرماتے ہیں:

لم يرو واحد المؤطا عن مالك اثبت من ابن القاسم وليس احد من اصحاب مالك عندى مثله .

عبدالرحمٰن بن قاسم سے زیادہ ثبت کسی شخص نے امام مالک سے مؤطا کی روایت نہیں کی اور نہ ہی اصحاب مالک میں اس پایہ کا کوئی تھا۔

(تہذیب التہذیب ج ۶ ص ۲۵۳)

خلیلی کہتے ہیں:

وهواول من حمل المؤطا الى مصر .

وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے مصر میں مؤطا پہنچائی۔

فقہ مالکی کی مشہور ترین ضخیم کتاب ''المدونۃ الکبری'' انہیں کی تالیف ہے، جو ان کے لائق شاگرد سحنون کے واسطہ سے مروی ہے، اس کتاب کے متعلق زرکلی کا قول ہے:

وھو من اجل الکتب المالکیۃ ۔ یہ مذہب مالکی کی عظیم ترین کتابوں میں ہے۔

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ ابن قاسم نے امام مالک کے زمانہ میں مدینہ سے واپس آکر اپنے شیخ کے مجتہدات وفقہیات کو کتابی شکل میں جمع کرنا شروع کیا تھا۔

آپ زہد وتقویٰ میں بھی امتیازی شان رکھتے تھے، سلاطین وامرا کے تحائف ہرگز قبول نہ کرتے، اور نہ ان سے تقرب کو پسند کرتے تھے، وہ خود کہتے تھے:

لیس فی قرب الولاۃ ولا فی الدنو منھم خیر ۔

حاکموں کے قرب میں کوئی بھلائی نہیں ہے۔

۷/صفر شب جمعہ ۱۹۱ھ مصر میں وفات فرمائی۔

(۳) امام اشہب بن عبدالعزیز

ولادت ۱۵۰ھ میں ہوئی، آپ مصر کے رہنے والے تھے، پہلے لیث بن سعد، یحییٰ بن ایوب اور ابن لہیعہ سے اکتساب علم کے بعد امام مالک کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان سے حدیث وفقہ کا مدت دراز تک سماع کرتے رہے اور وہ اس مقام تک پہنچ گئے، کہ فقہ مالکی کے اہم اور معتبر ناقل بن گئے۔ ابوعبداللہ خزاعی لکھتے ہیں:

کان لاشھب ریاسۃ فی البلاد ومال جزیل وکان من انظر اصحاب مالک رضی اللہ عنہ ۔ (ابن خلکان ج۱ص ۱۲۷)

اشہب کو مصر میں علمی اور مالی ریاست حاصل تھی اور مالک کے صاحب نظر وبصیرت تلامذہ میں سے تھے۔

امام شافعی فرماتے ہیں:

ما رایت افقہ من اشھب وقد انتھت الیہ ریاسۃ الفقہ فی مصر ۔ (مالک ص ۲۰۷)

میں نے اشہب سے بڑا کسی کو فقیہ نہیں دیکھا اور مصر میں فقہ کی ریاست ان پر مکمل ہوئی۔

امام اشہب نے ابن قاسم کے علاوہ امام مالک کے فقہی آرا اور مجتہدات کو ایک کتاب میں مدون فرمایا۔ قاضی عیاض فرماتے ہیں:

کتاب جلیل کبیر کثیرا لعلم ۔ انتہائی عظیم الشان اور کثیر العلم کتاب ہے۔

آپ کی وفات ۲۰۴ھ میں ہوئی۔

(۴) امام اسد بن فرات بن سنان

ابوعبداللہ اسد بن فرات بن سنان آپ کا خاندان بنوسلیم بن قیس کے آزاد کردہ غلاموں میں سے تھا، آبائی وطن نیشاپور (خراسان) تھا، آپ بطن مادر میں تھے، کہ والد نے حران میں رخت اقامت ڈالا، جہاں ۱۴۲ھ میں اسد پیدا ہوئے، آبائی پیشہ سپہ گری تھا، والد کے ساتھ قیروان اور تیونس میں بھی قیام رہا، تیونس ہی میں قرآن حکیم کی تلاوت مکمل کی، انہیں دنوں والد نے خواب میں دیکھا، کہ ان کی پشت پر گھاس اگی ہوئی ہے اور اسے مویشی چر رہے ہیں، علمائے تعبیر نے بتایا، کہ یہ لڑکا آئندہ علم وفضل کا مالک ہوگا اور تشنگان علم اس کے چشمہ فیض سے شادکام ہوں گے۔

تیونس ہی میں امام اسد کو طلب علم کا ذوق پیدا ہوا اور وہاں کے شیخ علی بن زیاد کے حلقہ درس سے وابستہ ہوگئے، جہاں پہلی بار موطا امام مالک کا درس لیا، ۱۷۲ھ میں تکمیل علم کے لیے دیار مشرق کا رخ کیا اور مدینہ منورہ پہنچ کر امام مالک کے حلقہ درس میں شریک ہوئے۔

چوں کہ قاضی اسد ہر مسئلہ کی تحقیق کے لیے بحث ونظر اور قیل وقال کے عادی تھے اور امام مالک طبعاً قیل وقال پسند نہ فرماتے تھے، سہل وسادہ طریقہ پر روایات کی روشنی میں جوابات دیتے، جس کی بنا پر تلامذہ اپنے خدشات پیش نہ کرتے، لیکن جب قاضی اسد شریک

درس ہوئے، تو امام مالک کے تلامذہ میں ابن قاسم وغیرہ نے آپ کے ذریعہ اپنے خدشات امام مالک کی خدمت میں پیش کرنے شروع کیے، بالآخر امام صاحب نے انہیں روک دیا، امام مالک کی خدمت میں سبقا سبقا مؤطا کی تکمیل کے بعد آپ نے مزید طلب علم کے لیے عراق کا رخ کیا، عراق میں امام محمد بن حسن شیبانی کے حلقہ درس میں شامل ہوئے، امام محمد آپ پر خصوصی توجہ فرماتے اور مالی اعانت بھی فرمایا کرتے تھے۔

۱۷۹ھ میں امام مالک کا انتقال ہوا، سانحہ ارتحال کی خبر پہنچی، تو قاضی اسد امام محمد کے حلقہ درس ہی میں تھے،، امام محمد نے فرمایا انا للہ وانا الیہ راجعون ایک مصیبت ہے کہ اس سے بڑھ کر دوسری مصیبت نہیں۔

امام دارالہجرت کے وصال کے بعد لوگ مؤطا کی حدیثیں سننے کے لیے ان کے تلامذہ کے گرد جوق جوق درجع ہونے لگے، اسد بن فرات بھی انہیں تلامذہ مالک میں ہیں، جن کے حلقہ درس میں سامعین مؤطا کا ازدحام ہوتا، چنانچہ قاضی اسد کو یہ شرف حاصل ہے، کہ امام محمد اور قاضی ابو یوسف نے آپ سے مؤطا کا درس لیا۔

مشرق میں حدیث وفقہ کی تحصیل کے بعد قاضی اسد مصر آئے، وہاں امام مالک کے شاگرد ابن وہب، اشہب اور ابن قاسم کے حلقہائے درس قائم تھے، قاضی اسد نے عبدالرحمٰن بن قاسم کی خدمت اختیار کی، وہ ان کی فقہ، علمی جلالت اور زہد وورع سے اس قدر متاثر تھے، کہ انہوں نے ایک دن مسجد میں باآواز بلند یہ کہا، حضرات! اگر مالک بن انس اکا انتقال ہو چکا ہے، تو یہ دوسرا امام مالک ہمارے سامنے موجود ہے، یہ کہتے ہوئے ابن قاسم کی طرف اشارہ کیا اور پھر بالالتزام روزانہ ان کی خدمت میں حاضر ہونے لگے، اس کے بعد قاضی اسد کا یہ دستور ہو گیا، کہ وہ ابن قاسم سے روزانہ فقہی مسائل پر سوالات کرتے، وہ جوابات دیتے اسد سوال وجواب دونوں کو بترتیب لکھتے جاتے، عبدالرحمٰن بن قاسم اپنے جوابوں میں امام مالک کے فتاوی بیان کرتے ان پر احادیث سے دلیل لاتے اور قیاس ورائے سے ان جوابوں کی صحت کے ثبوت بہم پہنچاتے، یہاں

تک کہ انہوں نے ان جوابوں کے املا کرانے میں روزانہ کے تین ختموں کے معمول میں سے ایک ختم کو ترک کر دیا، اس طرح یہ سوال و جواب ساٹھ اجزا میں مدون ہو گئے اور یہی کتاب دنیا میں فقہ مالکی کی اولین کتاب ہے، اسد نے اس مجموعہ کو اپنے نام پر ''الاسدیہ'' سے موسوم کیا۔

قاضی اسد مصر سے قیروان (افریقہ) پہنچے، تو وہاں سے اسدیہ کی ایک نقل عبدالرحمٰن بن قاسم کے پاس مصر بھیجی، قیروان میں آپ کا وسیع حلقہ درس قائم ہوا، جہاں مؤطا اور اسدیہ کے درس کے لیے طالب علموں کا ہجوم رہتا، امام مالک سے بیک واسطہ احادیث لینے اور الاسدیہ کی روایت اور سماع کے لیے افریقہ اور مغرب کے جلیل القدر علما نے اسد کی بارگاہ میں زانوے تلمذ تہہ کیا اور چند ہی دنوں میں الاسدیہ کی روایت سارے افریقہ اور مغرب میں پھیل گئی۔

۲۱۲ھ میں بحری بیڑوں کے ذریعہ قاضی اسد کی قیادت میں اسلامی لشکر نے صقلیہ فتح کیا اور اگلی پیش رفت میں زخمی ہوئے، جس کے صدمے سے ۲۱۳ھ میں آفتاب علم صقلیہ کی زمین میں غروب ہو گیا۔

(۵) عبدالعزیز بن ماجشون

عبدالعزیز بن ماجشون مدینہ میں پیدا ہوئے، اندازہ کیا جاتا ہے، کہ انہوں نے اپنے والد اور چچا سے علم حاصل کیا اور امام مالک سے فقہ کا درس لیا۔ ابن خلکان لکھتے ہیں:

تفقه علی الامام مالك وعلی والده عبدالعزیز وغیرهما

(ج۲ص۷۹)

تحصیل علم کے بعد مدینہ منورہ میں انہوں نے اپنا ایک الگ حلقہ درس قائم کیا اور ۱۴۸ھ تک یہیں رہے پھر بغداد منتقل ہو گئے، عبداللہ بن وہب کا بیان ہے:

میں نے ۱۴۸ھ میں حج کیا تو ایک منادی یہ اعلان کر رہا تھا:

لایفتی الناس الا مالك وعبدالعزیز ابو سلمه۔

امام مالک اور عبدالعزیز ابو سلمہ کے علاوہ کوئی دوسرا فتویٰ نہ دے۔

قاضی یحییٰ بن اکثم فرمایا کرتے تھے، کہ عبدالملک ایک سمندر ہیں، جس کو ڈول گندا نہیں کرسکتا۔

مصعب زبیری کہتے تھے:

کان مفتی اهل المدینة فی زمانه ۔(تهذیب ج ۶ ص ۴۰۸)

وہ اپنے زمانے میں اہل مدینہ کے مفتی تھے۔

ان کے ممتاز تلامذہ یہ ہیں:

عبدالرحمٰن بن مہدی، ابونعیم علی بن الجعد، یحییٰ بن بکیر، احمد بن یونس، زہیر بن معاویہ، لیث بن سعد، عبداللہ بن وہب، وکیع بن الجراح، ابوداؤد طیالسی، عبداللہ بن صالح، بشر بن فضل، یزید بن ہارون، منصور بن سلمہ وغیرہ۔

(تاریخ بغداد ج ۱۰ ص ۴۳۶)

(۶) امام یحییٰ بن یحییٰ مصمودی اندلسی

آپ کا تذکرہ نسخہ مؤطا کے ذیل میں آچکا ہے۔

شمائل وخصائل

حلیہ ولباس

رنگ سفید مائل بہ سرخی، قد لمبا، سر بڑا، آنکھیں روشن اور بڑی بڑی، بہت وجیہ اور دلکش شخصیت کے مالک تھے، ڈاڑھی دراز۔ بڑے خوش پوش تھے، زیادہ تر لباس سفید ہوتا۔ عدن، خراسان، مرو اور طراز کے عمدہ کپڑے استعمال کرتے تھے، انگوٹھی میں سیاہ نگینہ ہوتا، جس میں "حسبنا اللہ ونعم الوکیل" کندہ تھا۔ عمدہ خوشبو اور عطریات استعمال کرتے، عام طور سے خوش حالی کا اظہار کرتے تھے، تاکہ علمی شان میں حرف نہ آئے، غذا عمدہ ہوتی، روزانہ گوشت کا التزام فرماتے، پھلوں میں کیلا زیادہ پسند فرماتے، جس کی خوبی کے بارے میں وہ خود ہی فرماتے:

لاشیء اشبه بثمر الجنة منه لاتطلبه فی شتاء ولا صیف الا وجدته۔

کیلا سب سے زیادہ جنتی پھل کے مشابہ ہے اور جاڑا اور گرمی ہر موسم میں دستیاب ہوجاتا ہے۔

ذہبی نے اجمالاً تحریر کیا ہے:

کان مالك رجلا طویلا جسیما عظیم الهامة ابیض الراس واللحیة اشقر اضلع عظیم اللحیة عریضها وکان لایحفی شاربه ویراه مثله۔ (تاریخ ذہبی ج ۳ ص ۳۱۹)

ابوزہرہ نے لکھا ہے:

كان مالك يلبس الثياب العدنية والخراسانية والمصرية الغالية الثمن ۔ (مالك ص ۵۰)

وكان له ذوق في الطعام يحسن تخير انواعه وكان يعجبه الموز ۔(ایضا)

اخلاق وکردار

امام مالک کا دامن فضل وکمال کے ساتھ اخلاق حسنہ اور اعمال صالحہ کے سدا بہار پھولوں سے مالا مال تھا، عقائد واعمال میں سلف صالحین کا کامل نمونہ تھے، عبادت وریاضت آپ کا معمول، اخلاق وایثار اور خدمت دین، آپ کا شیوہ تھا، ہر قدم اتباع سنت میں اٹھتا اور ہر عمل اسوہ حسنہ کے سانچے میں ڈھلا ہوا ہوتا، وہ عمل صالح کا پیکر تھے اور دوسروں کو بھی اس کی تلقین کیا کرتے تھے، اکثر فرمایا کرتے، کہ جو شخص چاہتا ہے، کہ اس کا قلب روشن ہو موت کی سختی ۔سے نجات ہو، قیامت کے شدائد سے محفوظ رہے، اس کا باطنی عمل ظاہری عمل سے زیادہ ہونا چاہیے۔

ذوق عبادت وتلاوت

امام صاحب ہر ماہ کی پہلی رات کو پوری رات عبادت کرتے تھے، دیکھنے والے سمجھتے تھے، کہ آپ اس ماہ کا استقبال وافتتاح عبادت سے کر رہے ہیں، صاحبزادی فاطمہ بیان کرتی ہیں، کہ امام صاحب ہر رات اپنا وظیفہ ''نوافل وغیرہ'' پورا کرتے تھے اور جمعہ کی رات میں پوری رات عبادت میں مشغول رہتے تھے۔

ابن وہب کہتے ہیں، امام مالک کی بہن سے پوچھا گیا، کہ گھر کے اندر امام مالک کی مشغولیت کیا تھی؟ تو جواب دیا ''المصحف والتلاوة'' (تاریخ ذہبی)

مغیرہ کا بیان ہے، کہ ایک مرتبہ رات گئے میں امام صاحب کے پاس سے گزر رہا تھا، وہ الحمد للہ کے بعد سورہ ''الهكم التكاثر'' پڑھ رہے تھے، میں ٹھہر گیا، امام صاحب جب ''لتسألن يومئذ عن النعيم'' پر پہنچے تو دیر تک روتے رہے اور یہی

آیت دہراتے رہے، ان کا یہ حال دیکھ کر میں وہیں رہ گیا، صبح ہوتے ہوتے رکوع کیا، میں وضو کر کے مسجد میں گیا، دیکھا، کہ امام صاحب اسی حال میں ہیں اور ان کے چہرے پر نور چمک رہا ہے۔

امام صاحب نوافل میں طویل رکوع و سجود کرتے تھے، کوڑے کی سزا کے بعد لوگوں نے عرض کیا، کہ آپ ہلکی نماز پڑھیں، فرمایا، کہ بندے کو چاہیے، کہ اللہ کے لیے جو عمل کرے، اچھی طرح کرے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

"لِيَبْلُوَكُمْ اَيُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلاً"۔

امام صاحب کے اخفائے حال کا یہ عالم تھا، کہ اپنے رومال کو تہہ کر کے رکھتے تھے اور نماز کے وقت اسی پر سجدہ کرتے تھے، فرمایا کرتے تھے، کہ میں ایسا اس لیے کرتا ہوں، کہ میری پیشانی پر سجدے کا نشان نہ پڑے، جس کو دیکھ کر لوگ سمجھیں، کہ میں قیام لیل کرتا ہوں۔

فرماتے تھے، کہ اگر مجھے معلوم ہو جائے، کہ میرے قلب کی اصلاح گھوڑے پر بیٹھنے سے ہو جائے گی، تو میں اس پر جا کر ضرور بیٹھوں گا، امام صاحب نفل عبادت تنہائی میں کرتے تھے، تاکہ کوئی نہ دیکھ سکے اور ان کی بزرگی کا شہرہ نہ ہو۔

(ترتیب المدارک ج ۱ص ۱۸۰)

عشق رسول

امام صاحب کی ذات جملہ صوری و معنوی محامد و اخلاق کا مجموعہ تھی، مکارم اخلاق کا سرچشمہ محبت رسول ہے، امام مالک کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس سے والہانہ عشق تھا، وہ ذات رسول کے ساتھ آپ کے متعلقات کا بھی حد درجہ احترام ملحوظ رکھتے، دیار حبیب سے اس درجہ انس تھا، کہ حج کے علاوہ کبھی مدینہ سے جدا ہونا گوارہ نہ کرتے، وہ فرمایا کرتے تھے، کہ مجھے مدینہ طیبہ کی مٹی سے بھی خوشبو آتی ہے اور تین دن میں ایک بار بیت الخلا جاتے اور فرماتے، کہ مجھے بار بار جاتے شرم آتی ہے، قضائے

حاجت کے لیے حرم مدینہ سے باہر جاتے، امام مالک سرزمین طیبہ میں کبھی سواری پر نہ چلتے۔ ابن خلکان لکھتے ہیں:

كان مالك لا يركب في المدينة مع ضعفه و كبر سنه ويقول لا اركب في مدينة فيها جثة رسول الله صلى الله عليه وسلم مدفونة. (وفيات الاعيان ج ۲ ص ۳۰۲)

امام مالک باوجود ضعف و کبرسنی کے مدینہ طیبہ میں کبھی سوار نہ ہوتے تھے اور فرماتے تھے، کہ جس ارض مقدس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا جسم اطہر مدفون ہو اس میں سوار ہونا شان محبت وادب کے خلاف ہے۔

امام شافعی کا بیان ہے، کہ میں نے ایک مرتبہ امام صاحب کے دروازے پر عمدہ عمدہ خراسانی گھوڑے اور مصر کے خچر دیکھے، میں نے ان کے متعلق دریافت کیا، تو فرمایا، کہ یہ سب تم کو ہبہ کرتا ہوں، میں نے کہا، کہ کم از کم ایک تو رکھ لیں، اس پر کہا، کہ "**انا استحی من اللہ ان اطأ تربة نبی الله بحافر دابة**" مجھے اللہ تعالیٰ سے شرم معلوم ہوتی ہے، کہ اللہ کے رسول کی سرزمین کو چوپایہ کے پیروں سے روندوں۔

کسی حال میں مدینۃ الرسول کو چھوڑنا گوارا نہ تھا، خلیفہ وقت کے حکم پر بھی اسے صاف اور دوٹوک جواب دے دیا، حسین بن عروہ کا بیان ہے، کہ خلیفہ ہارون رشید عباسی ایک بار مدینہ آیا اور امام صاحب کی خدمت میں پانچ سو دینار بھیجے، جب حج سے فارغ ہوکر دوبارہ مدینہ آیا، تو امام صاحب کے پاس پیغام بھیجا، کہ امیر المومنین کی خواہش ہے، کہ مالک بغداد تک اس کے ہم سفر رہیں، امام صاحب نے اس کے جواب میں قاصد سے کہا، کہ تم جا کر کہہ دو کہ وہ تھیلی مہر بند رکھی ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے، کہ "**والمدينة خير لهم لو كانو يعلمون**" یعنی مدینہ لوگوں کے حق میں بہتر ہے، اگر وہ اس کو جانیں، یہ جواب سن کر ہارون رشید اپنے ارادہ سے باز آ گیا۔

(تقدمۃ الجرح والتعدیل ص ۳۰،۲۹)

مصعب بن عبداللہ کا بیان ہے، کہ جب امام صاحب کے سامنے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر مبارک ہوتا تھا، تو ان کے چہرے کا رنگ بدل جاتا تھا اور سرنگوں ہو جاتے تھے اور کہتے تھے، کہ میں نے جو کچھ دیکھا ہے، اگر تم لوگ دیکھتے تو میری حالت پر تعجب نہ کرتے، محمد بن منکدر رسید القرا تھے، ہم لوگ ان سے کوئی حدیث معلوم کرتے تو وہ رونے لگتے تھے، میں ایک مدت تک ان کے یہاں آیا گیا ہوں اور ہمیشہ ان کو تین حالتوں میں سے کسی ایک حالت میں پایا ہے، نماز میں مشغول رہتے یا روزہ سے ہوتے یا تلاوت میں مصروف رہتے تھے، حدیث رسول باوضو بیان کرتے تھے۔

حق گوئی و بے باکی

حق گوئی و بے باکی امام صاحب کا طرہ امتیاز تھا، وہ جابر امرا اور خلفا کے روبرو حق بات کہنے سے باز نہ رہتے، بلکہ ان لوگوں سے ملنے کا بنیادی مقصد ان کی تنبیہ اور ان کے سامنے کلمہ حق کا اعلان کرنا ہوتا، ان سے پوچھا گیا، آپ اہل دول سے کیوں ملتے ہیں، تو فرمایا، کہ "یرحمك الله فاين التكلم بالحق" ان کے یہاں نہیں، تو کہاں حق بات کہی جائے گی؟ حق گوئی کے نتیجے میں آپ پر شاہی عتاب ہوا، مگر حق و صداقت کی راہ میں آپ کے قدموں میں لغزش نہ آئی، امام صاحب کے حاسدوں نے ایک مرتبہ ابو جعفر منصور کے پاس جا کر کہا، کہ مالک! آپ لوگوں کی بیعت کو جائز نہیں سمجھتے ہیں اور عباسی خلافت کے منکر ہیں، یہ سن کر ابو جعفر منصور غصہ ہوا اور امام صاحب کے کپڑے اتروا کر کوڑے مارے اس میں آپ کا ہاتھ اکھڑ گیا اور بڑی زیادتی کی۔ (ابن خلکان ج ۲ ص ۳۰۱)

اوصاف و عادات

امام مالک ان تمام اوصاف جمیلہ اور اخلاق حمیدہ کے جامع تھے، جو صحابہ اور تابعین میں موجود تھے اور جن کے حاملین کی ذات اسلامی تعلیمات کا اسوہ اور نمونہ تھی، امام صاحب کے مکان واقع وادی عقیق کے دروازے پر "ماشاء الله" لکھا تھا، بعض لوگوں نے اس کے بارے میں سوال کیا، تو آپ نے بتایا، کہ قرآن حکیم میں ایک واقعہ

کے ضمن میں ہے، کہ" لَوْلَآ اِذْ دَخَلْتَ جَنَّتَكَ قُلْتَ مَاشَآءَ اللّٰهُ " (الکہف ۳۹/۱۸) اور باغ بھی گھر ہے۔

دوسرا مکان مدینہ منورہ میں حضرت عبداللہ بن مسعود کا تھا، جس میں کرایہ پر قیام پذیر تھے، ایک مرتبہ خلیفہ مہدی نے آپ سے ذاتی مکان کے بارے میں پوچھا، تو کہا، کہ مجھ سے بیان کیا گیا ہے، کہ" ان نسب المرء داره "یعنی آدمی کا نسب اس کا مکان ہے۔ حضرت ابن مسعود کے مکان کی نسبت کافی ہے، آپ کا مکان نہایت صاف ستھرا، سجا سجایا رہتا تھا، عمدہ عمدہ گدے، تکیے اور فرش رکھے اور بچھے رہتے تھے، آپ کا کاشانہ شاہانہ دربار معلوم ہوتا تھا، کپڑے نہایت نفیس اور قیمتی ہوتے تھے، فرماتے تھے، کہ اس میں اللہ تعالیٰ کی تحدیث نعمت اور اس کا عملی شکریہ ہے، ایک مرتبہ کسی نے کہا، کہ آپ کے گھر میں تصویر ہے، امام صاحب نے کہا، کہ اب تک میں نے اس کو نہیں دیکھا ہے، پھر مخاطب سے کہا، کہ تم اس کو مٹادو۔

مدینہ منورہ میں سواری پر چلنا خلاف ادب سمجھتے تھے، مگر مدینہ منورہ کے باہر سواری کرتے تھے، ابوالسمح کا بیان ہے، کہ میں نے امام صاحب کو ایک عمدہ خچر پر سوار دیکھا ہے، جس پر نہایت نفیس زین تھی، اس کے اوپر کپڑا تھا، خادم پیچھے پیچھے چل رہا تھا، اسی حال میں وادی عقیق والے مکان کے دروازے تک گئے، خورد و نوش کا انتظام نہایت اعلیٰ تھا، امام صاحب کے بھانجے اسماعیل بن ابواویس کہتے ہیں، کہ روزانہ دو درہم کا گوشت خریدا جاتا تھا، اس میں ناغہ نہیں ہوتا تھا، اس کے لیے بعض اوقات سامان فروخت کرنا پڑتا تھا، اپنے باورچی سلمہ کو حکم دیتے تھے، کہ جمعہ کے دن کھانا زیادہ تیار کرے، مشروبات میں گرمی کے ایام میں شکر اور جاڑوں میں شہد استعمال کرتے تھے۔

امام صاحب کو کیلا بہت مرغوب تھا، کہتے تھے، کہ اس پھل پر نہ مکھی بیٹھتی ہے، نہ گندا ہاتھ لگتا ہے، جنت کے پھلوں کے مشابہ ہے، سردی گرمی ہر موسم میں ملتا ہے یہ جنت کے پھل کی خصوصیت ہے یعنی" اكلها دائم "بال بچوں اور گھر والوں کے ساتھ بہترین

اخلاق سے پیش آتے تھے، کہا کرتے تھے، کہ اس میں تمہارے رب کی مرضی، تمہارے مال میں زیادتی اور تمہاری عمر میں درازی ہے، جیسا کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعض صحابہ کی روایت سے معلوم ہوا ہے۔

کثیر الصمت اور قلیل الکلام تھے، کھل کر نہیں ہنستے تھے، بلکہ مسکراتے تھے، امام صاحب کے پاس چار سو دینار تھے، اسی سے تجارتی کاروبار کرتے تھے اور اسی کی آمدنی سے تمام ضروریات زندگی پوری کرتے تھے، ایک مرتبہ تین ہزار دینار پیش کیے گئے، تو قبول نہ کیا، نہ مکان بنوایا اور نہ تجارت میں لگایا۔

یحییٰ بن یحییٰ مصمودی اندلسی نے امام صاحب سے تحصیل علم کے بعد ایک سال ان کی خدمت میں رہ کر اسلامی آداب سیکھے، ان کا بیان ہے، کہ میں نے امام مالک کے عادات وشمائل سیکھنے کے لیے قیام کیا، کیوں کہ یہ صحابہ اور تابعین کے اخلاق وشمائل ہیں، اسی لیے امام صاحب کو عاقل کہا جاتا تھا۔ (ترتیب المدارک ج ۱)

حکیمانہ اقوال

علمائے حق جس طرح اپنی سیرت وکردار کو صلاح وتقویٰ کے سانچے میں ڈھال کر فلاح دارین کے مستحق بنتے تھے، ان کی خواہش بھی ہوتی، کہ سارا اسلامی معاشرہ اسی رنگ وآہنگ میں ڈھل جائے اور ہر مسلمان اخلاق وکردار کے ذروہ بلند پر متمکن ہو جائے، چنانچہ وہ لوگوں کی اخلاقی خامیوں کو بیان کرتے، انہیں ترک کرنے کی ہدایت فرماتے اور ایسے حکیمانہ نصائح فرماتے، جن کی روشنی میں اخلاق وکردار کی اساس سنواری جاسکے۔

امام مالک نے بھی علما اور عوام کی صلاح وفلاح کے لیے اپنے بیش قیمت اقوال لوگوں کے سامنے پیش کیے، تاکہ ان پر عمل پیرا ہو کر لوگ کامیاب زندگی بسر کرسکیں، ذیل میں کچھ اقوال زریں ہدیہ ناظرین ہیں:

☆ اہل علم کی تین قسمیں ہیں (۱) جو عالم اپنے علم پر عمل کرتا ہے، اس کے بارے میں فرمان الٰہی ہے "اِنَّمَا یَخْشَی اللّٰہَ مِنْ عِبَادِہِ الْعُلَمٰٓؤُا" (فاطر: ۲۸/۳۵) (۲) جو عالم علم حاصل کر کے دوسروں کو نہ سکھائے، اس کے بارے میں ارشاد خداوندی ہے، "اِنَّ الَّذِیْنَ یَکْتُمُوْنَ مَآ اَنْزَلْنَا مِنَ الْبَیِّنٰتِ وَالْھُدٰی" (البقرہ: ۱۵۹/۲) (۳) جو عالم دوسروں کو تو سکھائے خود عمل نہ کرے اس کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے "اِنْ ھُمْ اِلَّا کَالْاَنْعَامِ" (الفرقان: ۴۴/۲۵)۔

☆ زبیری کہتے ہیں، کہ میں نے امام صاحب سے کہا، کہ جب میں لوگوں کو امر بالمعروف کرتا ہوں، تو ان میں سے کچھ لوگ میری بات مان لیتے ہیں اور کچھ لوگ مجھے تکلیف دیتے ہیں، میری برائی کرتے ہیں اور میرے ساتھ سختی سے پیش آتے ہیں، ایسی صورت

میں مجھے کیا کرنا چاہیے، امام صاحب نے کہا، کہ اگر تم کو ڈر ہے اور تم سمجھتے ہو کہ لوگ تمہاری بات نہیں مانیں گے، تو ان کو چھوڑ دو اور دل میں ان کی برائی سے بیزاری رکھو، اس میں تمہارے لیے گنجائش ہے اور جس شخص سے تم کو گزند کا خطرہ نہ ہو اس کو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرو اور اس کو حکم خداوندی پر عمل سمجھ کر کرو، ایسی صورت میں تم خیر ہی دیکھو گے، خاص طور سے جب تم میں اس معاملہ میں نرمی ہو، اللہ تعالیٰ نے موسیٰ اور ہارون کو حکم دیا، کہ فرعون سے نرم بات کریں، ایسی صورت میں سننے والا تمہاری بات دھیان سے سنے گا۔

☆ باطل سے قرب میں ہلاکت ہے، باطل بات میں حق سے دوری ہے، دین اور شرافت میں خرابی کے بعد ملنے والی دنیا میں خیر نہیں ہے، اگرچہ کتنی ہی زیادہ ہو۔

(ترتیب المدارک ج ۱ ص ۱۸۷، ۱۹۰)

☆ مجھے معلوم ہوا ہے، کہ قیامت میں جن باتوں کا سوال انبیا سے کیا جائے گا، ان ہی باتوں کا سوال علما سے کیا جائے گا۔

☆ منافقوں کی مثال مسجد میں ایسی ہی ہے، جیسے چڑیا پنجڑے میں ہو کہ جوں ہی اس کا دروازہ کھلا چڑیا اڑ گئی۔

☆ علم دین کثرت روایت سے نہیں آتا ہے، بلکہ وہ نور ہے، جس کو اللہ تعالیٰ دل میں ڈال دیتا ہے، تحصیل علم بہت خوب ہے، البتہ تم دیکھو گے، کہ اس بارے میں صبح سے شام تک کیا کرنا ہے، اس کو اختیار کرو۔

☆ ایک مرتبہ امام صاحب نے مطرف سے پوچھا، کہ میرے بارے میں لوگ کیا کہتے ہیں، مطرف نے بتایا، کہ دوست تعریف کرتے ہیں اور دشمن برائی کرتے ہیں، امام صاحب نے کہا، کہ لوگوں کا یہی حال ہے، کہ دوست اور دشمن دونوں ہوتے ہیں، اللہ تعالیٰ ہم کو لوگوں کی زبان درازی سے محفوظ رکھے۔

☆ اس امت کا آخری طبقہ اسی بات سے صلاح و فلاح پا سکتا ہے، جس سے اس کا پہلا

طبقہ کامیاب ہوا ہے۔

☆ معاصی کی ابتدا کبر، حسد اور کنجوسی سے ہوتی ہے۔

☆ تم جس چیز سے چاہو کھلواڑ کرو، مگر اپنے دین سے کھلواڑ نہ کرو۔

☆ اللہ تعالیٰ کا عرش پر مستوی ہونا معلوم ہے، اس کی کیفیت مجہول ہے اور اس کے بارے میں بحث کرنا بدعت ہے۔

☆ اگر تم کو دو باتوں میں شک اور تردد ہو، تو جو بات تمہارے زیادہ موافق ہو، اسی کو اختیار کرو۔

☆ تم علم سے پہلے حلم حاصل کرو۔

☆ جو شخص اپنی باتوں میں سچائی اختیار کرے گا، اپنی عقل سے آخری عمر تک مستفید ہوتا رہے گا اور دوسرے لوگوں کی طرح بڑھاپے میں اس کو نسیان اور بکواس سے نجات رہے گی۔

☆ اللہ کا ادب قرآن میں ہے، اس کے رسول کا ادب سنت اور حدیث میں ہے اور صالحین کا ادب فقہ میں ہے۔

سفر آخرت

امام صاحب کی عمر ۸۱ رسال ہو چکی تھی، ضعف و ناتوانی نے جسم میں بسیرا کرلیا تھا، باہر آنا جانا ترک ہو چکا تھا، مگر اس حال میں بھی مؤطا کا درس کسی نہ کسی طرح جاری رہا وفات سے بائیس روز قبل بستر علالت پر پڑ گئے مرض روز بروز سختی اختیار کرتا رہا، لوگوں کو آپ کی یہ حالت دیکھ کر یقین ہو چکا تھا، کہ اب امام دارالہجرت اس دنیا میں چند ہی روز کے مہمان ہیں، ان کی جدائی کا غم علما اور شاگردوں کے لیے سوہان روح تھا، جب وقت آخر ہونے کا یقین ہوگیا، تو مدینہ کے تمام علما وامرا آخری دیدار کے لیے جمع ہوگئے، یحیٰ اندلسی کا بیان ہے، کہ مجھے تو اپنی محرومی کا رونا ہی تھا، وہ لوگ بھی جو مدتوں امام کی ملازمت کا شرف حاصل کر چکے تھے، وہ بھی رو رہے تھے، تلامذہ کے علاوہ حدیث وفقہ کے ۱۶۰ رعلما مودب باچشم گریاں آس پاس بیٹھے تھے، جسم کی حرارت آہستہ آہستہ سرد ہورہی تھی، آنکھوں سے آنسو جاری تھے، قعنبی جو امام کے شاگرد رشید ہیں، اسی وقت حاضر ہوئے اور رونے کا سبب دریافت کیا، آپ نے فرمایا، میں نہ روؤں تو کون روئے، اے کاش مجھ کو میرے ہر قیاسی فتوے کے بدلے ایک کوڑا مارا جاتا اور میں فتویٰ نہ دیتا، گریہ جاری تھا، لب متحرک تھے، کہ مرغ روح قفس عنصری سے پرواز کر گیا، اب اسی طرح اردگرد طلبہ علما کا ہجوم تھا، لیکن صدر نشین بزم حیات جاوید کے بستر پر آرام کر رہا تھا۔

صحیح روایت کے مطابق ۱۱ ربیع الاول ۱۷۹ھ میں آپ کا انتقال ہوا۔

جنازہ میں خلقت کا ہجوم تھا، والی مدینہ عبداللہ بن محمد ہاشمی خود پیادہ پا شریک تھا

اور نعش اٹھانے والوں میں وہ خود بھی شامل تھا، جنت البقیع میں آپ کو سپرد خاک کیا گیا۔

عمر بن سعد انصاری نے اس وقت یہ شعر کسی کو خواب میں پڑھتے سنا۔

لقد اصبح الاسلام زعزع رکنه	غداة ثوى الهادى لدى ملحد القبر
امام الهدى مازال للعلم صائنا	عليه سلام الله فى آخر الدهر

اسلام کے ستون ہل گئے، جس صبح کو رہنما قبر میں آسودہ ہوا وہ ہدایت کا پیشوا اور علم کا ہمیشہ محافظ رہا، اس پر تا قیامت خدا کا سلام ہے۔

امام کا غم ۳۲۲ سال کے بعد بھی پاک دلوں سے کم نہ ہوا تھا، ابو محمد جعفر قاری بغدادی المتوفی ۵۰۰ھ نے امام کا مرثیہ کہا۔

سقى جدثا ضم البقيع بمالك	من المزن مرعاد السحاب مبراق
امام مؤطاه الذى طبقت به	اقاليم فى الدنيا فساح وافاق
اقام به شرع النبى محمد له	حذر من ان يضام واشفاق
له سند عال صحيح وهيبة	فللكل منه حين يرويه اطراق
واصحاب صدق كلهم علم فسل	بهم انهم ان انت ساء لت حذاق
ولولم يكن الا ابن ادريس وحده	كفاه الا ان السعادة ارزاق

بجلی اور کڑک کے ساتھ برسنے والے بادل اس قبر کو سیراب کریں، جو مالک کو اپنے آغوش میں لیے ہے۔ وہ امام جس کی وہ مؤطا ہے، جس پر دنیا کے وسیع ملکوں اور گوشوں نے اتفاق عام کیا ہے۔ وہ جس نے اپنی مؤطا کے ذریعہ پیغمبر کی شریعت کو قائم کیا اور جس کا اس کو ڈر تھا، کہ اس شریعت پر کہیں ظلم نہ ہو۔ اس کی سند بلند اور صحیح ہے اور اس میں ہیبت ہے جب وہ اس کی روایت کرتے ہیں تو سب بغور سنتے ہیں۔ ان کے بہت شاگرد رشید ہیں، جن میں ہر ایک جبل علم تھا، تو تو ان سے سوال کر اگر تو سوال کرے گا تو وہ ماہرین ہیں۔ اگر امام شافعی کے سوا کوئی اور ان

کا شاگرد نہ ہوتا تو بھی ان کے لیے فخر کافی تھا، ہاں خوش بختی بھی روزی ہے۔ (ابن خلکان ترجمہ مالک بن انس)

اولاد واحفاد

ابن حزم نے لکھا ہے، کہ امام مالک کے دو لڑکے یحییٰ اور محمد تھے اور دونوں محدثین کے نزدیک ضعیف تھے، ان کے ایک پوتے احمد بن یحییٰ بن مالک تھے اور تین چچا تھے، اویس، ابو سہل، نافع اور ربیع۔ یہ تینوں مالک بن ابو عامر نافع کے لڑکے تھے۔

(جمہرۃ انساب العرب ص ۴۳۶)